کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار و برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

الوعید الشدید

علیٰ

مُدّعی القول السَّدید

مصنّفہ

محمّد مظہر الحق بندیالوی

ابنِ استاذ العلماء تاج الفقہاء صاحبزادہ محمّد عبد الحق صاحب بندیالوی دامت برکاتہم

شُعبۂ نشر و اشاعت

دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ (رجسٹرڈ) بندیال ضلع سرگودھا

نام کتاب ———— الوعید الشدید

مصنف ———— محمد مظہر الحق بندیالوی

کتابت (بمعہ ٹائٹل) ———— محمد عاشق حسین ہاشمی

تعداد ———— ایک ہزار

طابع ————

صفحات ————

ناشر ———— شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ

(رجسٹرڈ) بندیال ضلع سرگودھا

پیشِ لفظ

غلام غوث، شریفانہ گفتگو، ارے توبہ
خدا نے توڑ دیئے ہیں دماغ کے خانے

شورش کاشمیری دیوبندی نے بڑے پتے کی بات کی ہے اور آج مولوی غلام غوث ہزاروی کی ذریت نے قولِ سدید (گالی گلوچ کا پلندہ) لکھ کر شورش کے اس شعر کی حقانیت کو مزید واضح کر دیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل وہابی حضرات نے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف چند اوراق کا ایک پمفلٹ لکھ کر بزعمِ خویش غزالی اور رازی کی روح کو شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے سرتاپا غلط مفروضوں پر اپنی امیدوں کے محل تعمیر کر کے بغلیں بجا رہے تھے، لیکن جب اہلِ سنت کی جانب سے ان کے اس تصوراتی محل پر ضرب شدید پڑی۔ تو نجد تا دیوبند پوری دنیائے وہابیت لرزہ براندام نظر آئی۔ جو لوگ سرتاپا ابن ابی کا نمونہ ہیں، جو علم اس لیے پڑھتے ہیں کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے علمی کا علم ہو جائے۔ جن کی تمام تر علمی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم کو فلاں فلاں چیز کا علم نہ تھا اور جو لوگ علمِ مصطفےٰ کے تقدس کو جانوروں اور پاگلوں کے شعور سے تشبیہ دے کر داغدار کرنے کی سعی نامراد کرتے ہیں۔ "ضربِ شدید" کی اشاعت سے ان کے خرمنِ امید پر بجلیاں گرنے لگیں، اور معاندینِ رسالت کا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور "قولِ سدید" کے نام سے خرافات کا ایک پلندہ تحریر کر مارا جس پر بازاری لوگ بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ تحریر کا ایک ایک لفظ صاحب کتابچہ کی خاندانی شرافتوں کا آئینہ دار تھا۔ شاید وہ اس بات سے ناآشنا ہیں کہ اب وہ وقت چلا گیا، جب وہ چند ورق کا کتابچہ لکھ کر سستی شہرت حاصل کرنے کے جنوں کی تسکین کا سامان کیا کرتے تھے، بلکہ اب اہل سنت ان کی ہر قلمی لغزش پر انہیں ٹوکنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور عدم فرصت کی وجہ سے جواب میں دیر ہو جانے پر کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا کریں۔

ہم تو ایسے کم فہم گھٹیا ذہن اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے الجھنا بھی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں، لیکن احباب کے پیہم اصرار پر ہمیں مجبوراً قلم اٹھانا پڑا۔ مصنف "قولِ سدید" کے اپنے بقول ہمیں ان کی قلمی شوخیوں پر کوئی حیرت نہیں، کیونکہ جو بھٹکے ہوئے ذہن صلحائے امت تو کجا خود سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق زہر آفرینی سے باز نہیں آتے، ان کا ہمیں معاف کرنا خلافِ واقع بات ہوتی ہے

وارثانِ محراب ومنبر سے یہ کیسے کہوں ؟
آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیئے

ہم نے "ضربِ شدید" میں دربارِ رسالت میں کشتیٔ دیوبند کے ناخداؤں مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، اور مولوی رشید احمد گنگوہی کی گستاخانہ عبارات کا حوالہ دیا تھا، جنہیں وہ شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے اور کہنے یہ لگے ہمارے اکابر کی پگڑیاں اچھالی گئیں، حالانکہ ان عقل کے اندھوں سے یہ بات کوئی نہیں پوچھتا کہ ہم نے تمہارے اکابر کی اپنی کتب سے ان کی عبارات نقل کی ہیں، اپنی جانب سے تو ہم نے ان پر تبصرہ بھی نہیں کیا اور صاحبِ کتابچہ نے ان عبارات کی طرف کوئی توجہ نہ دے کر دراصل اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ واقعی ہمارے اکابر نے دربارِ رسالت میں ایسی گستاخانہ عبارات تحریر کی ہیں جو قرآن وسنت کے سراسر خلاف ہیں، اگر ان کی طبعِ نازک پر گراں نہ گزرے تو چند کفریہ عبارات اور نقل کی جاتی ہیں؛

(۱) جیسا ہر قوم کا چوہدری اور نمبردار، سو ان معنوں میں پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۳۵ مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی)

(۲) جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۴/۱۵ مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی)

(۴) اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدیہ میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ (تحذ[illegible] دیوبند مصنفہ بانیٔ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی)

نوٹ: (ایک حوالہ بھی غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپے [illegible] انعام دیا جائے گا)

قارئین کرام! مجھے قوی امید ہے کہ اب آپ مصنف "قولِ سدید" کے اکابر کے عقائد سے بخوبی واقف ہو چکے ہوں گے اور یہ تسلیم کر چکے ہوں گے کہ جن کے مق[illegible] سالت کی رسوائیاں ہوں، وہ یوں ہی کہا کرتے ہیں۔

موضع بندیال میں اہل سنت اور وہابیوں کے درمیان، ۱ مارچ ۱۹۸ء کو مناظرہ طے پایا۔ وہابیہ نے مناظرہ کے لیے تین موضوع لکھ کر بھیجے اور ساتھ ہی تحریر کیا کہ دلائل قرآن و حدیث سے دیئے جائیں گے۔

ہم نے جواباً تحریر کیا کہ صرف انہی تین موضوعات پر ہی نہیں، بلکہ ان کے علاوہ تین اور اختلافی مسائل پر بحث ہوگی اور دلائل قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ہوں گے۔ لیکن سب سے مقدم بحث اصاغرِ دیوبند کی عبارات پر ہوگی، کیونکہ تم ان عبارات کے لکھنے والوں کو اپنا مقتداء و پیشواء سمجھتے ہو اور ان عبارات سے جو معنی سمجھا جاتا ہے، وہی تمہارا اور تمہارے اکابر کا عقیدۂ فاسدہ ہے جو کہ قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے، اگر جرأت ہے تو اسے قرآن و حدیث کے مطابق ثابت کرو۔

بندیال کے فاتر العقل اور منتشر الذہن نجدی مولویو!

تمہارے علم و فضل کے کیا کہنے؟ لکھتے ہو کہ "اہل سنت قرآن و حدیث پر مناظرہ کرنے سے بھاگ گئے۔" حالانکہ یہ بات تو عام مسلمان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مناظرہ قرآن و حدیث پر نہیں ہوا کرتا، بلکہ مناظرہ تو ہمیشہ اختلافی مسائل پر ہوتا ہے اور قرآن و حدیث کو بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

میں بندیال کے درجن بھر فاترالعقل نجدی ملاؤں سے پوچھتا ہوں کہ عقیدہ لکھتے وقت انہوں نے صرف یہی لکھا کہ دلائل قرآن وحدیث سے دیئے جائیں گے اور اجماع اور قیاس کو بالکل فراموش کر گئے۔ کیا انہیں دلائل کے ان دو مآخذوں کا علم نہیں یا ان کے سامنے ان کا یقین نہیں؟

ناظرین کرام! ہمارا مکتوب اب بھی مخالفین کے پاس موجود ہے، وہ اسے بیشک منظرِ عام پر لائیں اور اگر وہ ہماری تحریر سے یہ بات دکھا دیں کہ ہم نے قرآن وحدیث کو بطورِ دلیل پیش کرنے سے انکار کیا ہے تو ہم انہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔

عقل وخرد سے تہی اس جنس کو یہ بات کون ذہن نشین کرائے کہ اگر اکابرِ دیوبند کی عبارات پر بھی مناظرہ ہوتا تو پھر بھی قرآن وحدیث کو ہی بطورِ دلیل پیش کیا جاتا۔ کیونکہ کسی شاتم رسول کی کسی عبارت کو صرف اُسی وقت گستاخانہ یا کفریہ قرار دیا جا سکتا ہے، جب وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔

قارئین کرام! ہم نے وہابیوں سے کہا کہ تمہارے اکابر کی عبارات کفریہ ہیں۔ اگر جرأت ہے تو قرآن وحدیث کے مطابق ثابت کرو، لیکن اُلٹا انہوں نے واویلا مچانا شروع کر دیا ہے کہ اہل سنت قرآن وحدیث پر مناظرہ نہیں کرتے۔

ہم سب سے پہلے اکابرِ دیوبند کی عبارات پر مناظرہ اس لیے کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم توحید کی آڑ میں عظمتِ مصطفےٰ پر حملہ کرنے والے ان پُرفریب اور گھناؤنے چہروں سے نقاب الٹ دیں اور عوام ان کے جبہ و دستار کے مصنوعی تقدس سے واقف ہو جائیں، لیکن دیوبندیوں نے اپنا بھانڈا چوراہے میں پھوٹتا دیکھا تو فرار کا سہرا باندھ کر دلہن نجات سے ہمکنار ہونے میں کامیابی سمجھی ؎

دوسروں کے عیب بیشک ڈھونڈتا ہے ات دن
چشمِ عبرت سے کبھی اپنی سیہ کاری بھی دیکھ

صاحبِ کتابچہ کی ایک اور موشگافی ملاحظہ ہو، اس نے لکھا ہے کہ "حضرت قبلہ فقیہہ العصر نے عید میلاد النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کبھی نہیں منائی تھی۔"

توہم اس کم فہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت فقیہہ العصر کو تم بہتر جانتے ہو یا ہم ؟ آپ کے تمام معتقدین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ وہ ہر سال باقاعدگی سے جو میسّر آتا کھانا پکا کر عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشی میں تقسیم کرتے تھے اور قیامِ ہندوستان کے دوران وہ بیشمار محافلِ میلاد اور جلوسوں میں شرکت فرما چکے تھے۔ یہ الزام تو تم اس وقت لگاتے جب تمہارے پاس ان کی کسی تحریر و تقریر کا کوئی ثبوت ہوتا جس میں انہوں نے عید میلاد کے جلوس اور اجتماع کو حرام و ناجائز قرار دیا ہوتا ؟

ہم نے "ضربِ شدید" میں لکھا تھا کہ ایک طرف تو اتحاد کے دنوں میں وہابیوں اور دیوبندیوں کے اکابر مثلاً مفتی محمود اور صاحبِ کتابچہ کے چچا وغیرہ ۱۲ ربیع الاوّل کے جلوسوں میں شرکت کرتے رہے ہیں، اور دوسری جانب صاحبِ کتابچہ نے لکھا ہے کہ "ایسے جلوسوں میں شرکت کرنا بدعت و حرام ہے۔" توہم نے بصد معذرت عرض کر دیا تھا کہ کیا آپ اپنے اکابر پر بھی بدعت و حرام کے ارتکاب کا فتویٰ لگائیں گے یا آپ کی اس خانہ زاد اور شرک و کفر ساز فیکٹری کا تمام تر الزام اہلِ سنت ہی کا مقدر بن چکا ہے ؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ اتحاد کے دنوں کی بات چھوڑیں۔ تو کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ اس وقت کسی اور عالم میں تھے یا وہ آپ کے جنون کے دن تھے ؟

ناظرین! یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ کسی پر اعتراض کیا جائے کہ فلاں تاریخ میں تم نے فلاں غلطی کی ہے تو وہ جواب میں کہے کہ اس وقت کی بات کو چھوڑو، کیونکہ اس دور میں تو فلاں نے بھی غلطی کی تھی۔ الزام یہ ہے کہ بقولِ شما جو چیز حرام ہے تمہارے بزرگوں نے اس حرام کا ارتکاب کیوں کیا ؟ کیا جو چیز اہلِ سنّت کے لیے حرام ہے، وہ تمہارے اکابر کے لیے حلال و جائز ہے ؟ بیشک سب مخالف ملاں اکٹھے ہو جاؤ، لیکن قیامت تک جواب نہیں دے سکو گے۔

مصنف "قولِ سدید" نے الزام لگایا ہے کہ اتحاد کے دنوں میں قائدِ اہلِ سنت جناب نورانی صاحب مفتی محمود کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں اور ادھر اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ایسا کرنے والے کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

ناظرین! یہ ان لوگوں کی ایک اور شاطرانہ چال ہے۔ یہ سراسر بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ قبلہ نورانی صاحب کئی بار جلسہ ہائے عام میں اس کی تردید کر چکے ہیں اور ملک کے نامور جرائد میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ صاحبِ کتابچہ کی اپنے گرد و نواح سے بے خبری کی انتہا ہے کہ قائدِ اہلِ سنت جناب نورانی صاحب کی اس تردید کے متعلق وہابیوں کا رسالہ "خدام الدین" اپنے "یوسف بنوری نمبر" میں لکھ چکا ہے، اور لطف کی بات یہ کہ نورانی صاحب نے اس کی تردید صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے سامنے بھی فرمائی۔ چنانچہ ماہنامہ "ترجمانِ اہلِ سنت" کراچی، شمارہ دسمبر ۱۹۷۷ء میں نورانی صاحب کا بیان نقل کیا ہے۔ "ترجمانِ اہلِ سنت" کی زبانی پڑھیے اور سر دھنیے:

"الحمد للہ ہم میں وسعتِ قلبی ہے، لیکن کسی گستاخِ رسول یا شانِ رسالت میں تنقیص کرنے والے کے لیے کوئی وسعتِ قلبی اور رواداری نہیں۔ ہم کسی بھی شخص خواہ وہ ڈیرہ اسماعیل خان کا ہو، ملتان کا یا اچھرہ کا ہو کسی شاتمِ رسول کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

۔ یہ ملاں چار چار ٹکے کے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قومی اسمبلی میں بھی اذان ہوتی تھی تو ان کا رُخ ایک طرف ہوتا تھا اور ہمارا رُخ ان سے دوسری طرف۔ اس کے دیکھنے والے ایک نہیں، دو نہیں، بے شمار لوگ موجود ہیں۔"

لگے ہاتھوں آپ ایک اور لطیفہ بھی سنتے جائیں۔ صاحبِ کتابچہ کے مفتی محمود نے

اتحاد کے دنوں میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دربار پر حاضری دی، چادر چڑھائی اور کھانا تقسیم کیا۔ خدا بھلا کرے اخباری نمائندوں کا جنہوں نے عین موقع پر مفتی صاحب کو جالیا اور ان کا نازک بدن کیمرے کی تیز نگاہوں سے نہ بچ سکا۔ اب مزارات پر حاضری کو شرک و بدعت کہنے والے لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ صاحب کتابچہ جہل و عناد کی وجہ سے ہم اہل سنّت اور تمام اکابرِ اسلام کے گلوں پر تو شرک و کفر کا خنجر رکھ دیتے ہیں، مگر اس کا کیا کریں گے کہ شرک کی یہ تلوار اکابرِ دیوبند کو بھی نہیں بخشتی۔ صاحب کتابچہ کے اکابرین مزارات پر جانے کو شرک اور جانے والوں کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔

"قبروں پر چادریں چڑھانا (پھول ڈالنا) مقبرے بنوانا، تاریخ لکھنا، یہ کام کرنے والے مسلمان نہیں۔"

(تذکیر الاخوان صـ۸۶ مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی)

اب صاحب کتابچہ اور ان کے حواری چاہیں، تو اپنا سر پیٹیں یا اپنے اکابر کا ماتم کریں اور دل ہی دل میں انہیں بُرا بھلا کہیں۔ یہ فیصلہ صاحب کتابچہ تو کجا کوئی وہابی دیوبندی نہیں دے سکتا کہ حق پر اسماعیل دہلوی تھے یا مفتی محمود ؎

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا، جو وہ اُدھڑا تو یہ ٹانکا

مصنف "قولِ سدید" نے اپنے کتابچہ میں علامہ یوسف نبہانی اور علامہ اسماعیل حقی کو غیر معتبر اور مجہول لکھا ہے اور کہا ہے کہ ان حضرات نے رطب و یابس اور ضدری نسخے پیش کر کے کتابیں لکھ ماری ہیں۔

قارئین! صاحب کتابچہ کا دماغ ابلیسی توحید کے پرچار سے اتنا تاریک اور بغضِ مصطفےٰ سے اس کا ذہن اتنا متعفن ہو چکا ہے کہ اس نے سادہ لوح عوام کے ذہن میں ایسے فضلائے زمانہ کے متعلق زہر گھولنے کی ناکام کوشش کی ہے جن کے فضل و کمال کے اکابرِ دیوبند بھی قائل تھے۔

علامہ نبہانی وہ فاضلِ اجل تھے جن کی ایک کتاب "جامع کراماتِ اولیاء" کا مولوی اشرف علی تھانوی جنہیں بیمارانِ وہابیت اپنا حکیم الامت کہتے ہیں، ترجمہ کر کے "جمال الاولیاء" کے نام سے شائع کی ہے اور آج بھی مارکیٹ میں مل رہی ہے۔ اور صاحب تفسیر روح البیان علامہ اسماعیل حقی وہ بلند مرتبہ عالمِ دین ہیں جن کی تفسیر روح البیان کا حوالہ صاحب کتابچہ کے فرقہ کے مولوی زکریا شیخ الحدیث سہارنپور نے فضائل رمضان میں کئی بار دیا ہے۔

تو کیا صاحب کتابچہ علم وفضل کے لحاظ سے اپنے اکابر مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی زکریا سے بھی بڑھ گیا ہے؟ (کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ)

اگر بالفرض مصنف "قولِ سدید" کا اعتبار کر لیا جائے، تو پھر کہنا پڑے گا کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی زکریا بھی غیر معتبر مجہول تھے اور وہ رطب ویابس اور صدری نسخے پیش کرتے رہے ہیں، کیونکہ غیر معتبر آدمیوں کی کتابوں کے ترجمے بھی تو غیر معتبر مجہول ہی کیا کرتے ہیں۔ اب مصنف "قولِ سدید" اگر اپنی دلیل کو وزنی گردانتے ہیں تو پھر انہیں اپنے اکابر مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی زکریا کے تمام علم وفضل اور تحقیق وکاوش کو بھاڑ میں جھونکنا پڑے گا۔ اگر اپنے اکابر کے اقوال کو فوقیت دیتے ہیں، تو پھر ماننا پڑے گا کہ صاحب کتابچہ نے محض چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق بڑ ہانکی ہے ؎

پھنسا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

صاحب کتابچہ نے محض اپنے حواریوں میں اپنی مارکیٹ بنانے کی خاطر سیدی و مرشدی استاذ العلماء حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب بندیالوی دامت برکاتہم العالیہ کے متعلق ہرزہ سرائی کی ناپاک جسارت کی ہے۔ شاید وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے عاری ہے کہ آپ عہدِ حاضر کے وہ عظیم رہنما ہیں جن کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کا ایک زمانہ معترف ہے۔ کیا قبلہ استاذ العلماء کے علم وفضل کی رفعتوں کی یہ دلیل کم ہے کہ مصنف "قولِ سدید" کے

فرقہ کے معتبر آدمیوں کو بھی جب کبھی کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کرنا پڑ جائے تو وہ مصنف "قولِ سدید" کے چچا محترم کے پاس جانے کی بجائے آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ آپ وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن کی رگوں میں محبتِ رسول لہو بن کر موجزن ہے۔ جن کے دل کی ہر دھڑکن سینہ عشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ضرب لگاتی ہے۔

آپ نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر خواہ وہ تحریکِ پاکستان کا زمانہ ہو، تحریکِ ختمِ نبوت کا دور ہو یا تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کا مرحلہ ہو، اپنے علاقہ میں قومِ مسلم کی ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کو عزمِ صمیم اور بلند حوصلہ کے ذریعے منزلِ مقصود تک پہنچایا ہے اور خصوصاً تحریکِ پاکستان میں جبکہ صاحبِ کتابچہ کے والدِ محترم بالخصوص اور دوسرے دیوبندی وہابی مولوی بالعموم خضر حیات ٹوانہ اور یونینسٹ پارٹی کی کامیابی کے لیے علاقہ تھل میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ایسے نازک دور میں بڑے بڑے نام نہاد مواحد یا تو یونینسٹ پارٹی کی چوکھٹ پر بک چکے تھے یا جھک گئے تھے، تو آپ نے ایسے نامساعد حالات میں مسلم لیگ کا علم بلند کیا اور تمام کانگرسی ملاؤں اور آمر قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مصنف "قولِ سدید" تو بیچارا اُن کے آگے طفلِ مکتب کی حیثیت بھی نہیں رکھتا اور علاقہ کا باشعور طبقہ بخوبی جانتا ہے کہ مصنف "قولِ سدید" کی تمام تر نام نہاد اور کھوکھلی علمی عظمتیں اس مردِ باخدا کی گردِ راہ پر کئی بار دم توڑ چکی ہیں۔

افسوس کہ اس وقت مصنف "قولِ سدید" کے والدِ محترم اس جہانِ رنگ و بو میں موجود نہیں، ورنہ وہ ایسا لکھنے کا مشورہ ہرگز نہ دیتے، کیونکہ انہیں بھی حضرت صاحبزادہ صاحب مدظلہ، سے پالا پڑ چکا تھا اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ آپ علم کا وہ بحرِ ذخار ہیں کہ جس کی ہر موج خود قلزم بآغوش ہے۔ چنانچہ مصنف "قولِ سدید" کے والدِ محترم متعدد دفعہ تاریخ اور مقامِ بحث مقرر ہو جانے کے باوجود سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے اور جب ایک دفعہ اتفاقاً سامنا ہو گیا تو صاحبزادہ صاحب نے انہیں ایسا مبہوت و لا یعقل بنایا کہ بقیہ تمام عمر کبھی بھی صاحبزادہ صاحب کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ صاحبزادہ صاحب جہاں اہلِ ایماں کے لیے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہیں۔

وہیں اپنے محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کے حق میں غیظ وجلال کا دہکتا ہوا انگارہ بھی ہیں اور گستاخانِ مصطفےٰ کے جگر میں اُن کے نشتر کا ڈالا ہوا شگاف زندگی کی آخری ہچکیوں تک مندمل نہیں ہوتا۔

موضع اترا، تحصیل خوشاب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص شیر محمد حبیب خیل کا ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک عورت کے نکاح کے سلسلے میں تنازعہ تھا۔ طے یہ ہوا کہ شیر محمد حبیب خیل کی جانب سے علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب بندیالوی اور مولانا فخرالدین صاحب حکم ہوں گے اور دوسری جانب سے مصنف "قولِ سدید" کے والدِ محترم مولوی محمد امیر صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب جامع مسجد میانہ موضع اترا۔ میں مقررہ تاریخ کو اکٹھے ہوں گے اور تنازعہ کا فیصلہ ہوگا۔ چنانچہ تاریخِ مقررہ پر صاحبزادہ صاحب اور مولانا فخرالدین صاحب مقررہ مقام پر تشریف لے گئے، لیکن مولوی محمد امیر صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب انتہائی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامنے بھی نہ آسکے ؂

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

موضع اترا کا ایک اور واقعہ بھی سنتے چلیے ، صاحبزادہ علامہ محمد عبدالحق صاحب بندیالوی نے موضع اترا کے ایک زمیندار کا فیصلہ کیا اور ادھر بیمارانِ وہابیت کے سیماب صفت رہنماؤں مولوی غلام لیسین (داں بھچراں والے) جو اس وقت سرگودھا میں مقیم تھے۔ مولوی محمد شفیع صاحب مولوی محمد امیر صاحب بندیال والے اور مولوی محمد امین صاحب اترا والے نے متفقہ طور پر حضرت صاحبزادہ صاحب کے فیصلے کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ صاحبزادہ صاحب کو پتہ چلا تو آپ جمعہ کے موقع پر موضع اترا تشریف لے گئے اور آپ نے اعلان فرمایا: "دیوبندی، وہابی مولویوں نے بالکل غلط فتویٰ دیا ہے۔ میں حکم مسلم فریقین ہوں، میرے فیصلہ کے خلاف کسی مولوی کے فتوے کی کیا حیثیت ہے اور میں شام تک موضع اترا میں مقیم ہوں، دلائل تو دُور کی بات ہے، کوئی مولوی میرے

سامنے آکر صرف یہ کہہ دے کہ تیرا فیصلہ غلط ہے تو وہ سچا اور میں جھوٹا۔"

باوجود اس کے کہ مذکورہ بالا دیوبندی مولویوں کے پاس فریقِ مخالف گیا، لیکن کوئی بھی سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ گویا جاء الحق وزھق الباطل کی عملی تصویر نظر آئی۔ میں ان نام نہاد مولویوں کی جرأت و بسالت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا جو بیچارے دلائل سے مقابلہ تو کہاں کر سکتے تھے، سامنے آنے کی بھی ہمت نہ کر سکے اور صاحبزادہ صاحب بصد کامرانی واپس تشریف لائے جیسے زبانِ حال و قال سے فرما رہے ہوں ؎

یہ تاریکیاں تو ہمیں ہرگز ڈرا سکتی نہیں
بزدلوں کی ٹولیاں خنجر اٹھا سکتی نہیں

تیسرا واقعہ واں بھچراں ضلع میانوالی کا ہے وہاں غلام محمد قوم محمد خیل صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب بندیالوی کو لے گیا۔ ایک عورت کے نکاح کے سلسلے میں محمد ولد عالم خان قوم محمد خیل کا احمد خان ولد فتح محمد ڈھول کے ساتھ تنازعہ تھا۔ محمد خیل پارٹی کی جانب سے صاحبزادہ صاحب حَکَم مقرر ہوئے اور احمد خان ڈھول کی جانب سے مولوی محمد امیر صاحب دیوبندی حَکَم مقرر ہوئے۔ اور طے پایا کہ واں بھچراں چوکی پولیس میں مقررہ تاریخ پر صاحبزادہ صاحب اور مولوی محمد امیر صاحب کے درمیان بحث ہو گی۔ مقررہ تاریخ پر صاحبزادہ صاحب واں بھچراں چوکی پولیس کے قریب والی مسجد میں تشریف لے گئے، لیکن مولوی محمد امیر صاحب روایتی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامنے آنے کی تاب نہ لا سکے۔

کچھ عرصہ بعد فریقِ مخالف مولوی محمد امین موضع اترا والے کو واں بھچراں لے گئی اور مولوی محمد امین نے محمد خیل پارٹی کو کہا کہ میں مولوی محمد امیر دیوبندی کی جگہ پر آیا ہوں اور تم جا کر صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب کو لے آؤ، میں ان کے ساتھ بحث کروں گا۔ محمد خیل پارٹی بندیال آئی اور علامہ صاحبزادہ صاحب ان کے ساتھ فوراً واں بھچراں تشریف لے گئے۔ جب مولوی محمد امین نے سنا کہ وہ مردِ حق تشریف لا چکا ہے تو مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی

عافیت سمجھی اور اپنے حواریوں کا منہ بند کرنے کے لیے کہہ گیا کہ میں صاحبزادہ صاحب کے سامنے کیسے ہو سکتا ہوں اگر صاحبزادہ صاحب صرف یہی پوچھ لیں کہ تو حکم تھوڑا ہی ہے جو ڈھول پارٹی کی طرف سے پیش ہو رہا ہے، تو میں کیا جواب دوں گا۔

فقط یہی چند واقعات نہیں، بلکہ ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن کے عینی شاہد زندہ ہیں کہ مصنف "قولِ سدید" کے اکابرین اور والدِ محترم تاریخ اور مقامِ بحث مقرر ہو جانے کے باوجود سامنے نہ آسکے ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ہم قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے اس مناظرہ کا من وعن ذکر کرتے ہیں جو ایک دفعہ صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب بندیالوی اور مولوی محمد امیر صاحب دیوبندی کے درمیان ایک اتفاقیہ ملاقات میں ہو گیا تھا۔ مولوی محمد امیر صاحب بڑے عرصہ تک تو وقت و مقام بحث مقرر ہو جانے کے باوجود سامنے نہ آئے۔ لیکن جب ایک دفعہ ایک محفل میں اتفاقاً سامنے آگئے تو پھر وہی کچھ ہو گیا جس کا مولوی صاحب مذکور کو بڑے عرصہ سے خدشہ تھا۔

ہمارے مخالفین اگر ہمیں خواہ مخواہ مجبور نہ کرتے تو ہم ایسے حقائق و شواہد سے شاید کبھی پردہ نہ اُٹھاتے جو ہمارے مخالفین کے لیے باعثِ ندامت و رسوائی ہوں۔ ہم اپنے مخالفین سے پھر بھی گزارش کریں گے کہ قلم اٹھانے سے پیشتر ذرا اپنے گریبان میں جھانک لیا کریں تاکہ کل کی ندامت سے بچ سکیں۔

قارئین! یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب مدظلہ العالی نے ابھی درسِ نظامی کی تکمیل نہیں کی تھی۔ موضع بندیال میں صاحبزادہ صاحب، ملک خدا بخش صاحب بندیال کی بیوی کی فاتحہ خوانی پر تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں پر ملک الٰہی بخش بندیال، ملک شیر محمد رئیسِ اعظم بندیال، ملک احمد خاں ولد ملک شہادت خان بندیال، ملک محمد امیر ولد

ملک چراغ بندیال، ڈاکٹر عطا محمد صاحب چوہان اور کئی دوسرے معززین شہر موجود تھے۔
تو وہاں ملک فضل الرحمٰن بندیال نے حیات بعد الممات کے متعلق سوال کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ "مرنے کے بعد میت کو ادراک اور شعور رہتا ہے۔ نکیرین اس سے سوال کرتے ہیں اور اسے عذاب و ثواب ہوتا ہے۔"

اسی اثناء میں مولوی عبدالکریم صاحب دیوبندی، مولوی محمد امیر صاحب دیوبندی (مصنف "قولِ سدید" کے والد محترم) اور مولوی غلام یٰسین صاحب دیوبندی فاتحہ خوانی کے لیے پہنچ گئے۔ وہ بھی صاحبزادہ صاحب کی یہ گفتگو سنتے رہے۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ "حیاتِ میت کے منکرین کو معتزلہ کہتے ہیں جو کہ خارج از اسلام ہیں۔"
جب بیان ختم ہوا تو مولوی محمد امیر دیوبندی نے کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ وہ حیات کیسے ہوتی ہے۔ شہداء کی روحیں چڑیا کے پیٹ میں ہوتی ہیں اور چڑیاں جنت میں جہاں چاہتی ہیں اُڑتی پھرتی ہیں۔ یہ حیات کا مطلب ہے۔"

اس پر صاحبزادہ صاحب نے پوچھا: "رُوح کا موت کے بعد بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے یا نہیں؟"

مولوی صاحب نے کہا: "رُوح کا بدن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "کوئی دلیل؟"

مولوی صاحب بولے: "میں قرآن مجید سے ثابت کرتا ہوں۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "اگر قرآنِ کریم سے ثابت کر دو تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"
مولوی صاحب نے قرآن پاک منگوایا اور ورق گردانی شروع کر دی اور پسینے سے شرابور بار بار یہ مصرعہ دہراتے رہے ؏

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کافی جستجو کے بعد ایک آیت پیش کی :

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا۔ (ترجمہ) اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو، ان کے مرنے کا۔ اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے نیند میں۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا "تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ موت کے بعد روح کا بدن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ موت کے بعد رُوح کا بدن سے خارج ہونا تو ہم بھی مانتے ہیں، لیکن خارج ہونے کے بعد روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے یا نہیں؟ تم نے جو آیت پڑھی ہے اس کے کونسے لفظ کا معنی ہے کہ رُوح کے نکلنے کے بعد اس کا بدن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب نے کہا "غور کریں، غور کریں۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا "آیت کا مقصد واضح ہے کہ نیند میں نفس بدن میں باقی ہوتا ہے، لیکن حقیقی موت نیند جیسی نہیں ہے، بلکہ موت کے وقت نفس بھی بدن سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن خارج ہونے کے بعد رُوح کا جسم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یہ کہاں سے معلوم ہو گیا؟

صاحبزادہ صاحب نے مزید فرمایا کہ "مسند امام احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں :

اِنَّ المَیِّت یَسمَعُ قَرعَ نعالہم

(ترجمہ) تحقیق میت دفن کرنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔

اگر رُوح کے ساتھ بدن کا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر میت جوتیوں کی آہٹ کیسے سنتا ہے؟"

مولوی صاحب نے کہا کہ "جوتیوں کی آہٹ ابھی باقی ہوتی ہے کہ عذاب شروع ہو جاتا ہے۔"

صاحبزادہ صاحب نے کہا، یہ کونسے لفظ کا معنی ہے اِنَّ کا معنی ہے "تحقیق" میت کا معنی "مردہ" یَسمَعُ کا معنی "سنتا ہے" اور قَرعَ کا معنی ہے "آہٹ" اور نِعال کا معنی ہے "جوتے"۔ تو پھر یہ کونسے لفظ کا معنی ہے کہ جوتیوں کی آواز کے وقت عذاب شروع ہو جاتا ہے؟

مولوی صاحب یہ جواب سن کر سخت پریشان اور لاجواب ہو گئے۔

صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ مشکوٰۃ شریف میں آتا ہے کہ جب قبر پر جاؤ تو کہو،

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا دَارَ قَوْمِ الْمُؤْمِنِیْن

یہاں پر کُم ضمیر خطاب اور "یا" حرفِ ندا ہے۔ اگر مخاطب کوئی ہے ہی نہیں، تو پھر ندا اور خطاب کس کو کیا جا رہا ہے؟"

اس پر مولوی صاحب نے انتہائی بدحواسی اور پریشانی کے عالم میں کہا کہ "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب قبر پر جایا کرتے تھے تو السلام علیکم کہہ کر انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر عالمِ برزخ کی طرف اشارہ کرتے تھے، جہاں رُوح ہوتا ہے اور اس طرح آپ رُوح کو خطاب کرتے تھے"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "یہ تو حدیث پاک کے ساتھ مزاح ہے اور تحریف حدیث ہے۔ کسی ایک حدیث سے یہ ثابت کر دو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بوقتِ سلام علی القبر انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، تو ٹھیک ہے۔ اور اگر نہ دکھا سکو اور یقیناً تم نہ دکھا سکو گے، تو تمہارا کذب اظہر من الشمس ہوگا اور اگر انگلی اٹھانی تھی تو گھر سے ہی انگلی اٹھا کر اَلسَّلَامُ علیکم یا اھل القبور کہہ دیتے، قبرستان جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

مولوی صاحب یہ سُن کر سکتے میں آگئے اور لگے دائیں بائیں دیکھنے اور بغلیں جھانکنے۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "کسی ترجمہ شدہ حدیث کی کتاب سے دکھا دو اور اگر نہ دکھا سکو، تو اس سے بڑھ کر حدیث کی تحریف اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو ظلمِ عظیم ہے۔"

اُس وقت مولوی صاحب کی حالتِ نازک قابلِ دید اور قابلِ رحم تھی۔ مولوی صاحب کی حالت دگرگوں کیوں نہ ہوتی، کیونکہ بیچارے موروثی خیانت سے کام لے کر تحریفِ حدیث جیسے غارتِ گرِ ایمان جرم کے مرتکب جو ہوئے تھے۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "تمہارا یہ کہنا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انگلی کے ساتھ عالمِ برزخ کی طرف اشارہ کرتے تھے، کتنی مضحکہ خیز بات ہے، کیونکہ برزخ تو زمانہ ہے جو کہ غیر محسوس ہے اور اشارہ تو صرف مُبصر محسوس کی طرف ہوتا ہے۔ موت سے لے کر قیامت تک

کا زمانہ برزخ کہلاتا ہے۔ برزخ مکان تھوڑا ہے کہ آپ اس کی جانب اشارہ فرماتے تھے۔"

مولوی صاحب بوجہ غلط بیانی اتنے پریشان ہوئے کہ شاید ہی کبھی ہوئے ہوں۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ "تفسیر خازن والے نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک شہید کی قبر کے نزدیک سے گزرے۔ آپ نے قبر والے پر سلام بھیجا اور فرمایا کہ قیامت تک اس قبر والے پر کوئی شخص سلام نہ بھیجے گا، مگر یہ اس کا جواب دے گا۔"

مولوی صاحب سے سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ بن سکا کہ "حدیث دکھاؤ گے؟"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "ضرور دکھاؤں گا۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رُوح کے متعلق تین قسم کی احادیث ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہیدوں کی رُوحیں سبز طیور کے پیٹ میں ہوتی ہیں جو دن کو بہشت میں سیر کرتے ہیں اور رات کو قندیلوں میں ہوتے ہیں جو کہ عرش الٰہی کے ساتھ منسلک ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں جو کہ ساتویں آسمان کے اوپر مقام ہے۔ کافروں اور گنہ گاروں کی رُوحیں سجین میں مقید ہوتی ہیں جو کہ ساتویں زمین کے نیچے مقام ہے۔ اور تیسری حدیث میں ہے کہ روحیں قبروں کے پاس ہوتی ہیں۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "شرح احیاء العلوم جلد عاشر میں ہے:

لکل رُوح بجسدھا اتصال معنوی۔ یعنی ہر رُوح کو اپنے جسم کے ساتھ اتصالِ معنوی ہوتا ہے۔

اور آگے اس کی نظیر پیش کی ہے: کالشمس فی السماء ونورھا فی الارض۔ یعنی رُوح جس مقام پر بھی ہو، اس کا اپنے بدن کے ساتھ اتصال معنوی اور تعلق ہوتا ہے جیسے سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں۔"

مولوی صاحب نے کہا: "کہ تم "احیاء العلوم" دکھاؤ گے؟"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "ضرور دکھاؤں گا۔"

مولوی صاحب نے کہا: "احیاء العلوم تو ہمارے گھر بھی ہے۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "وہی لاؤ اُسی سے دکھادوں گا۔"

اس پر مولوی صاحب انتہائی لاجواب ہوگئے اور اُن کے چہرے سے حسرت و یاس ٹپکنے لگی۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "دوسرے مقام پر اتحاف السادہ شرح احیاء العلوم والے نے علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول نقل کیا ہے:

اِذا نقل المیّت من قبرٍ اِلٰی قبر فالاتصال المذکور مستمرٌ وکذا لو تفرقت الاجزاء۔

صــ اسی

یعنی جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی جانب منتقل کیا جائے تو یہ اتصال مذکور اسی طرح رہتا ہے۔ اسی طرح اگر اجزاء متفرق ہوجائیں تو پھر بھی رُوح کا بدن کے ساتھ تعلق اسی طرح ہوتا ہے۔"

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے قلیب بدر والی حدیث پیش کی: "غزوہ بدر کے خاتمے پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے کنوئیں کے پاس جس میں کفار کی نعشیں ڈالی گئی تھیں کھڑے ہوکر فرمایا: هَل وجدتم ما وعد ربکم حقًّا۔

(ترجمہ) کیا تم نے اپنے خالق کے وعدے کو سچا پایا؟

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

هَل تتکلم امواتا یا رسول اللّٰہ۔

(ترجمہ) اے رسولِ خدا کیا آپ مُردوں سے باتیں کرتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: ھٰؤلاء اَسمع منکم ولکن لا یجیبون۔

(ترجمہ) یہ تم سے اچھا سُن رہے ہیں، لیکن جواب کی طاقت نہیں رکھتے۔"

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ....

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اس حدیث شریف سے ہر میت کا سننا اور ادراک ثابت ہوتا ہے، کیونکہ مورد اگرچہ خاص ہے، لیکن حکم عام ہے۔ اس پر مولوی صاحب سخت شرمندہ اور بدحواس ہوتے۔

صاحبزادہ صاحب نے الحاج ملک الٰہی بخش صاحب بندیال سے فرمایا کہ"میں نے جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، ان کو لینے جا رہا ہوں تاکہ مولوی صاحب انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، لیکن مولوی صاحب کو اپنے قابو میں رکھیں۔ یہ اپنی شکست کو چھپانے کے لیے بھاگ جائیں گے۔"

مولوی صاحب نے کہا"میں بھاگتا نہیں، تم کتابوں کو رہنے دو اور میرے ساتھ زور آزمائی کر لو۔"

مولوی صاحب نے سوچا کہ مناظرہ میں ذلت آمیز اور ہزیمتناک شکستِ فاش ہو چکی ہے، شاید زور آزمائی میں ہی کچھ ساکھ رہ جائے"ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق مولوی صاحب نے جھوٹی عزتِ نفس بچانے کی خاطر اکھاڑے میں اترنا بھی منظور کر لیا ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

قارئین کرام! مولوی صاحب کے زور آزمائی کی دعوت سے معمولی ذہن کا شخص بھی یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ مولوی صاحب مناظرہ میں اپنی شکست پر کتنے حواس باختہ بلکہ مبہوت اور لایعقل ہو گئے تھے۔

ملک الٰہی بخش بندیال نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ تمام حاضرین نے بحث سن لی ہے اور حق و باطل واضح ہو چکا ہے۔ یہ ہماری فاتحہ خوانی ہے آپ براہِ کرم کتابوں کو رہنے دیں۔

تو اس طرح مولوی صاحب حسرت و یاس کا عملی نمونہ بن کر اپنے نادان دوستوں سمیت

جنہوں نے تمام مناظرہ میں انہیں کوئی حوالہ بتانا تو کجا اُن کی ڈھارس بھی نہ بندھاتی تھی واپس گھر چل دیئے۔ کسی شاعر نے غالباً ایسے ہی موقع پر کہا ہوگا ۔

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

ناظرین کرام! ہم نے بفضلہ تعالیٰ حقائق پیش کیے ہیں۔ اب اگر مخالف ملاں اپنی شکست کے داغ کو دھونے کے لیے چند ورق کا پمفلٹ لکھ کر جھوٹ جھوٹ کی رٹ لگائیں یا گالی گلوچ کا سہارا لے کر دل کی بھڑاس نکالیں۔ تو اس طرح حقائق کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اگر ان میں کچھ بھی صداقت وجرأت ہے تو تمام فرقوں کے معززینِ دیہہ کی ایک میٹنگ بلائیں اور ان سے مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق کروالیں۔ انشاء اللہ سب معززین ان واقعات پر مہر تصدیق ثبت کریں گے۔ واقعات تو اور بھی بیشمار ہیں، لیکن طوالت کے ڈر سے فی الحال انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر ہمارے مخالفین کو پھر کھجلی ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام مناظروں کی روئیداد شائع کر دی جائے گی۔

مصنف ”قولِ سدید“ نے لکھا ہے کہ اہلِ سنّت اولیاء اللہ کے مزارات کی خاک چاٹتے ہیں۔

قارئین! اس سے قبل کہ ہم اس بات پر کوئی تبصرہ کریں، چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اندرا گاندھی کے بیٹے سنجے گاندھی نے جشنِ دیوبند کے شرکاء کو تین دن کھانا دیا جو کہ پلاسٹک کے لفافوں میں بند تھا۔ (روزنامہ امروز ۹ اپریل ۱۹۸۰ء)

(۲) زاغ معروفہ (کالا کوا) کھانا باعثِ ثواب ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۷۹ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

(۳) ہندو تہوار ہولی یا دیوالی کے موقع پر ہندوؤں کی پوریاں اور کھانا کھانا جائز ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۳۱ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

ناظرین ہمیں حیرت ہے کہ اندرا گاندھی کے آنچل کا صدقہ کھانے والے سنجے گاندھی کے نمک خوار اور کوا خور یہ کانگریسی ملاں جب ہم پر مزارات کی خاک چاٹنے کا الزام لگاتے ہیں،

تو انہیں اپنا ضمیر بھی ملامت نہیں کرتا ؟

کیا اولیاء اللہ کے مزارات کو بوسہ دینا گوارا کھاتے، ہندوؤں کا کھانا کھانے، اور گاندھی خاندان کے خوانِ نعمت کی خوشہ چینی سے بھی زیادہ بُرا ہے ؟

سینکڑوں راز نہفتہ ہیں میرے سینے میں
بات بڑھ جاتے گی یارانِ چمن رہنے دو

محترم و مکرم جناب صاحبزادہ محمد مظہر الحق صاحب بندیالوی نے بفضلہ تعالیٰ براہینِ قاطعہ اور دلائل ساطعہ کے ذریعے اس رسالہ میں منکرِ میلاد کے چند اوراق کے پمفلٹ کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ خدا کرے کہ ان کی اس کاوش کو دربارِ رسالت میں شرفِ قبولیت حاصل ہو جائے۔

خاکپائے قبلہ فقیہ العصر
غلام محمد (فاضل بندیال)
مدرس دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ (رجسٹرڈ)
بندیال۔ ضلع سرگودھا

یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ ۲۹، دسمبر ۱۹۸۱ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد۔

کچھ عرصہ قبل ایک مولوی زادے نے دو ورق کا ایک پمفلٹ شائع کیا تھا، جس میں میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بدعت و حرام قرار دیا تھا۔ اُس کے جواب میں بندہ نے بفضلہٖ تعالیٰ ایک مدلل اور مفصل کتاب شائع کی تھی اور ثابت کیا تھا کہ مروّجہ میلاد مبارک حرام وناجائز نہیں ہے، بلکہ کارِ خیر اور باعثِ ثواب ہے اور چونکہ میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت حبیب کبریا، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اس لیے اس کو حرام وناجائز کہنا بے ادبی وگستاخی ہے۔

اس کے علاوہ منکرِ میلاد نے اپنے کتابچہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل نہیں، بلکہ ۹ ربیع الاوّل ہے اور میلادِ مصطفےٰ کی ابتدا ایک مسرف اور دین سے لا پرواہ بادشاہ مظفر الدین نے کی تھی اور اس زمانہ میں جس فاضل شخص نے میلادِ مصطفےٰ کے بارے میں کتاب لکھی تھی، اس کو پیٹ پرست اور لالچی مولوی لکھا تھا اور میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے صرف فاکہانی مالکی کا قول پیش کیا تھا۔

میں نے مستند کتابوں سے ثابت کیا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخِ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ شہنشاہِ مظفر الدین کے متعلق سلف صالحین کے اقوال کے ذریعے ثابت کیا کہ وہ بہت نیک اور عادل حکمران تھا اور جس فاضل زمانہ نے میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں کتاب لکھی تھی۔ بڑے بڑے علماء کے اقوال کے ذریعے

ثابت کیا کہ وہ واقعی بہت بڑے فاضل شخص تھے اور فاکہانی مالکی کے قول کو علامہ ابن حجر، علامہ جلال الدین سیوطی جیسے فضلا اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے اقوال کے ذریعے قول مردود ثابت کیا۔

اس کے علاوہ ہم نے احادیثِ مبارکہ کے ذریعے ثابت کیا کہ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجد کے خطے کے لیے بددعا فرمائی اور آپ نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ وہاں سے شیطان کا سینگھ نکلے گا۔ اور ادھر چشمِ عالم نے یہ بخوبی دیکھا کہ واقعی نجد سے عبدالوہاب نجدی ہی شیطان کا سینگھ بن کر نکلا اور ہم نے مستند حوالہ جات کے ذریعے ثابت کیا کہ صاحبِ کتابچہ اور اس کے حواریوں کے وہی عقائد ہیں جو عبدالوہاب نجدی کے تھے اور کشتیٔ دیوبند کے ناخدا مولوی حسین احمد مدنی نے وہابیوں کی جو نشانیاں "الشہاب الثاقب" میں بیان کی ہیں۔ بدقسمتی سے وہ تمام کی تمام آج ان کی نام نہاد ذریت میں من وعن پائی جاتی ہیں، لیکن منکرِ میلاد کی بدحواسی دیکھیے کہ مذکورہ بالا باتوں کا جواب دینا تو کجا کسی موضوع کو چھیڑا بھی نہیں اور منکرینِ میلاد کی ڈوبتی ناؤ کو "قولِ سدید" کے تنکے کے ذریعے سہارا دینے کی آخری ناکام کوشش کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ "قولِ سدید" میں سوائے گالی گلوچ اور فحش کلامی کے کچھ نہ تھا۔ اور مشہور عربی کہاوت ہے:

کل اناءٍ لَیترشَّحَ بما فیہ

برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے

مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ میرے والدِ محترم کے متعلق بھی آج کا سیماب صفت اور ابن الوقت، توحید کا ٹھیکدار اور منکرِ میلاد ہرزہ سرائی سے باز نہیں آیا۔ حالانکہ میرے والدِ محترم کا تبحرِ علمی کسی سے پوشیدہ نہیں اور آپ نے مخالفین کو بے شمار دفعہ عبرتناک شکستیں دی ہیں ان پر موت آگئی، لیکن دوبارہ سامنے نہ آسکے اور ان گنت دفعہ بدعقیدہ لوگوں نے انہیں بعض جگہوں پر تقاریر کرنے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اسلحہ اکٹھا کیا،

اور اپنے ابدی ناخداؤں کو بھی بلایا، لیکن یہ مردِ آہن ہر رکاوٹ کو اپنے پاؤں کی ادنیٰ سی ٹھوکر سے ہٹاتا ہوا ہر مقام پر منکرینِ شانِ رسالت کی سرکوبی کرتا رہا۔ اور اہلِ علاقہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس مردِ حق کی گھن گرج سن کر گستاخانِ مصطفےٰ کے کلیجے دہل جاتے ہیں اور انہیں اس وقت پولیس کو بلانے یا اپنے بلوں میں گھسنے کے سوا کوئی جائے اماں نظر ہی نہیں آتی ۔۔ بندہ نے اپنے رسالہ میں کسی کے اکابر کو برا بھلا نہیں کہا تھا، بلکہ نفسِ مسئلہ کی تحقیق کی تھی اور دلائلِ قاہرہ سے میلاد شریف کو کارِ خیر اور باعثِ ثواب ثابت کیا تھا، جس کے صلے میں ہمیں گستاخانِ دربارِ رسالت کی طرف سے گالی گلوچ دیئے گئے۔ بیشک دل کھول کر ہمیں گالی گلوچ دے لو، بازاری زبان استعمال کر لو، لیکن خدارا اپنی زبان و قلم کو دربارِ رسالت میں بھٹکنے سے روکو۔ ہمارا تن من دھن اور عزت و ناموس، ناموسِ رسالت پر قربان ہے۔

منکرِ میلاد کا استدلالِ قرآن پر مضحکہ خیز اعتراض

ناظرین کرام! ہم نے مشروعیتِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند آیات لکھی تھیں جن پر منکرِ میلاد یوں رقم طراز ہوا: (۱) وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ۔

(۲) قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۔

(۳) وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ۔

(۴) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

(۵) اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔

کم سے کم فہم شخص بھی ان آیات کو پڑھ کر یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان کا میلادِ مروجہ کے ساتھ ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں اور فریقِ مخالف کا ان آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

قارئین کرام! استدلالِ قرآن پر منکرِ میلاد کا اعتراض تو آپ نے پڑھ لیا۔ انشاء اللہ آئندہ صفحات پڑھنے کے بعد ہر ذی شعور شخص پر یہ واضح ہو جائے گا کہ استدلالِ قرآن پر منکرِ میلاد کا اعتراض بالکل بے بنیاد اور لایعنی ہے۔

منکرینِ میلاد کے استدلالِ قرآن پر اعتراض کا جواب

دعویٰ یہ ہے کہ عید میلاد النبی یوم ولادت سرکارِ دو عالم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہ ایام اللہ کا یاد دلانا ہے، اور ایام اللہ سے مراد جمہورِ مفسرین نے وہ دن لیے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خاص انعامات فرمائے ہیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت باسعادت کا دن یقیناً اللہ تعالیٰ کے انعام فرمانے کا دن ہے اور ایام اللہ میں داخل ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے، اور ایام اللہ کو یاد دلانا قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

"وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ"

(ترجمہ) اور یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن

اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلانا ایک عام حکم ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا دن، یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن اس کے افراد ہیں۔ تو اس کے ضمن میں تمام افرادوں کے لیے حکم ثابت ہو گیا۔ اگر منکرِ میلاد کی جراٗت ہے تو اس کو عام مخصوص البعض ثابت کرے، یعنی اور تمام اللہ کے دنوں کو یاد دلانے کا حکم ہے بغیر یومِ ولادت کے۔ اگر یہ تمام منکرینِ میلاد اکٹھے ہو جائیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، لیکن زندگی بھر عام مخصوص البعض ثابت نہ کر سکیں گے۔

اب اگر کوئی کم فہم یہ کہے کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے اس یومِ ولادت کو یاد دلایا ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بنفسِ نفیس یومِ ولادت کو یاد دلایا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت فداہ ابی واُمّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

ذٰلك اليوم ولدت فيه۔ یعنی میں اس دن میں پیدا کیا گیا ہوں

تو دیکھو یومِ ولادت کو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یاد دلایا ہے تو یومِ ولادت کو اجتماع اور اظہار سرور یوم من ایام اللہ کو یاد دلاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ ۱۲ ربیع الاول شریف کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کو بیان کرنے کا صریح حکم قرآنِ پاک میں دکھاؤ تو یہ اعتراض ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے "نماز ظہر فرض ہے" اور معترض کہے "اس پر دلیل کیا ہے؟" تو وہ جواباً آیت پڑھے "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "نماز قائم کرو"۔ تو معترض صاحب فرمائیں تمہارا دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے۔ دعویٰ ہے ظہر کی نماز کی فرضیت کا اور دلیل سے مطلق نماز کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔ تو کہنا پڑے گا کہ تم اپنے عقل کا علاج کراؤ کیونکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں عام فرضیتِ نماز کا حکم ثابت ہو رہا ہے اور نماز ظہر اس کا ایک فرد ہے۔

جس طرح کوئی شخص احرام کھولنے کے بعد ہرنی کا شکار کرے اور معترض کہے کہ تو نے ناجائز کام کیا ہے۔ وہ قرآن کریم کی آیتِ کریمہ پڑھے کہ قرآن کریم میں ہے: اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ لیکن معترض یہ کہے کہ اس سے تو مطلق شکار کی حلت ثابت ہو رہی ہے۔ تم دکھاؤ سوموار کے دن ہرنی کا شکار کرنا جائز ہو، اور معترض صاحب جب حلتِ شکار ہی گئی اور عام شکار کا حکم معدوم ہو گیا، تو اس کے ضمن میں اس کے افراد کا حکم بھی معدوم ہو گیا۔

"عید میلاد النبی ایامِ اللہ کو یاد دلاتا ہے"

"یوم الولادۃ یومٌ من ایام اللہ وکل یومٍ من ایامِ اللہ یذکر۔"

تو نتیجہ واضح ہے "یوم الولادۃ یذکر۔" اب صغریٰ پر دلیل ہے کہ واقعی یومِ ولادت ایامِ اللہ ہے، تو ایام اللہ کی تشریح جمہور علماء مفسرین نے یہی کی ہے کہ وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خاص انعام فرمائے ہیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت

سے بڑھ کر اور خاص انعام کیا ہو سکتا ہے جس کے متعلق اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔

اور کبریٰ پر دلیل قرآنِ کریم میں آیت ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن

اب اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یوم ولادت یاد دلایا ہے، تو اس کا جواب سابقاً گزر چکا ہے کہ واقعی آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یومِ ولادت یاد دلایا ہے۔

"عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت پر اظہارِ سرور ہے۔" (اور دلیل آیت شریف)

اور اسی طرح دوسری آیت شریف "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالك فلیفرحوا۔"

اے محبوب فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر چاہیئے کہ خوشی کریں۔

تو دلیل یوں ہے: یوم الولادۃ یوم الفضل والرّحمۃ وکل یوم الفضل والرحمۃ یفرح فیہ۔ تو نتیجہ واضح ہے یوم الولادۃ یفرح فیہ؛ اب صغریٰ پر دلیل کہ واقعی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا دن اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا دن ہے۔ تو جب قرآن کریم میں آگیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ تو اب کون مسلمان ہے کہ آپ کے یومِ ولادت کو اللہ کے فضل اور رحمت کا دن نہ مانے گا؟

اور کبریٰ پر دلیل کہ یوم الفضل اور یوم الرّحمۃ میں خوشی کرنی جائز ہے تو وہ قرآن کریم کی ملاحظہ کریں یہی آیت: "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالك فلیفرحوا۔"

اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ لوگ اظہار خوشی کریں۔

اب اگر کسی کٹھ پتلی کی جرأت ہے، تو صغریٰ پر اعتراض کرے یا کبریٰ پر۔ تو ہمارا دعویٰ بفضلہٖ تعالیٰ مبرہن ہو چکا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ عید میلاد النبی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا یاد کرنا ہے۔

"دلیل النعمة ولادة النبی نعمۃ ۔" "کل نعمة یذکر۔" "تو نتیجہ واضح ہے "ولادة النبی یذکر۔" تو صغریٰ پر دلیل کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ تو یہ صغریٰ مسلمانوں کے نزدیک اجلیٰ بدیہات سے ہے۔ کسی مسلمان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے نعمت ہونے میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے۔

اور کبریٰ پر دلیل ؛ وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

اللہ کی نعمت کو آپس میں یاد کیا کرو۔

نیز دوسری آیت ہے ؛ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔

اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ! میں نے جو آپ کو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا لوگوں کے سامنے ذکر فرماؤ۔

اب ہم منکرِ میلاد سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان آیات کا تعلق میلادِ مروّجہ کے ساتھ تمہارے ذہن میں آیا ہے یا مزید کسی تشریح کی ضرورت ہے ؟

اقوال سلفِ صالحین اور استدلال حدیث پر منکرِ میلاد کے اعتراض کا جواب

منکرِ میلاد نے احادیث پر جو اعتراض کیے ہیں یہ ان کی ناسمجھی یا ہٹ دھرمی کی دلیل ہے۔ احادیث کو بندہ نے بطورِ دلیل پیش نہیں کیا ، بلکہ علماء متبحرین علامہ حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے ان احادیث کو بطورِ دلیل اور سند پیش کیا ہے جو علم و فضل کے مینار، حق کے پرستار اور امّتِ مسلمہ کے لیے باعثِ افتخار اور میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہیں۔

صاحب کتابچہ نے انتہائی بدحواسی کے عالم میں علامہ نبہانی کے متعلق لکھا ہے ؛

"نبہانی جیسے مجہول اور غیر معتبر آدمی آپ کو نصیب ہوں۔"

اور دوسری جگہ یوں بڑبڑاتی ہے:

"آپ نے نبہانی اور صاحب تفسیر روح البیان کو علامہ اور مفسر سمجھ کر ان کے اقوال بھی درج کر دیئے تو معاف کرنا جو لوگ غیر معتبر مجہول ہیں۔ دین کے معاملہ میں ایسے لوگوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

بندہ حیران ہے کہ ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے کی کیا حیثیت ہے کہ وہ ایک علامۂ زمان، مفسرِ قرآن، عالمِ اکمل، عارف کامل کو مجہول اور غیر معتبر کہے۔ یہ لوگ سلف صالحین سے ہیں، انہی لوگوں کی کوششوں اور مہربانیوں سے ہم نے دین سیکھا ہے۔ ان ہی لوگوں نے قرآن اور حدیث کی صحیح خدمت کی ہے۔ خدا کے بندے اگر یہ لوگ مجہول ہیں، تو پھر ان کے مقابلہ میں تجھے تو اجہل کہنا پڑے گا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ کی ساری پارٹی کے لوگوں کے دلوں میں بغض و عنادِ مصطفےٰ ہے تو جو شخص بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع و فرمانبردار ہو، آپ کے فضائل و کمالات بیان کرنے والا ہو، آپ لوگوں کو وہ اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے مجہول ہی نظر آئے گا۔

اور جو لوگ مقامِ انبیاء کرام علیہم السلام اور عظمتِ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی پرواہ نہیں کرتے، ان کے نزدیک اہانتِ علماء تو معمولی بات ہے۔

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ صاحب روح البیان معمولی شخصیت کے مالک نہیں تھے۔ ارے بصیرت کے اندھے لوگوں کی نظر میں علامۂ زمان کو مجہول کہہ کر تم نے اپنے اوپر مہر جہالت ثبت کر دی ہے۔

"جمال الاولیاء" مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی نے کونسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے؟

کتاب مذکورہ کے ابتدا میں مولوی اشرف علی تھانوی کی تمہید ملاحظہ ہو:

"جامع کرامات الاولیاء" ایک کتاب ہے جس کو شیخ ابو یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے چالیس معتبر کتابوں سے لے کر ۱۳۲۴ھ میں تالیف فرمایا ہے"

اسی غرض کی تقویت کے لیے اس کتاب کا ترجمہ کرانے کا خیال آیا۔"

یعنی "جمال الاولیاء" علامہ ابو یوسف نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "کرامات الاولیاء" کا ترجمہ ہے۔ تو کیا مولوی اشرف علی تھانوی نے بقول آپ کے مجہول شخص کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے؟ ارے نافہم تجھے شرم آنی چاہیئے تو نے کس علامۂ زماں اور عارفِ کامل کو مجہول کہا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی علامہ ابو یوسف نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شیخ لکھ رہے ہیں اور شیخ اصطلاح شرع میں مقتدا۔ اور خواجہ کو کہتے ہیں۔ تو جس شخص کو مولوی اشرف علی تھانوی مقتدا اور خواجہ کہیں تم ایسے شخص کو غیر معتبر اور مجہول کہو، یہ ہے تمہاری علمیت اور شرافت؟

نیز مولوی محمد زکریا دیوبندی نے "تبلیغی نصاب" کے صفحہ ۱۸ ۴ پر علامہ رُوح البیان کا حوالہ نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

"رُوح البیان میں علامہ سیوطی کی جامع الصغیر اور سخاوی کی مقاصد سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم کا ارشاد نقل کیا ہے۔"

کچھ ہوش و خرد سے کام لو۔ مولوی محمد زکریا دیوبندی جیسے شخص تو علامہ روح البیان کا حوالہ اپنی کتابوں میں نقل کریں اور تم ان کو غیر معتبر اور مجہول کہو۔ تم خود ہی انصاف کرو کہ تم سچ کہتے ہو یا تمہارے اکابر۔ مزہ تو تب ہے کہ اپنے اکابرین پر بھی جہالت اور عدم اعتبار کا فتویٰ جڑ دو۔ علماء کے ساتھ بات کرنے میں صرف باتیں کام نہیں آتیں، علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی اہلِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرو اور اس کے بعد آؤ علماء کے سامنے؟

تمہاری دوغلی پالیسی کی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ ایک طرف تو تم اپنے اکابر کی گستاخانہ اور کفریہ عبارات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہو اور دوسری جانب جن علماء کرام نے قرآن اور حدیث کے مفہوم کے عین مطابق جو کچھ ذکر کیا ہے، اس کا صاف انکار کرتے ہوئے کہتے ہو کہ **اقوال رجال حجت نہیں ہوتے**۔ اسی کا نام ہے "مادر پدر آزادی" کم از کم علماء کا یہ شیوہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر علامہ نبہانی اور صاحب تفسیر روح البیان سے تمہیں

چڑھے ہے، تو ہم خود علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الحاوی للفتاویٰ صہ سے نقل کرتے ہیں:

"اصل اختلاف اسی میلادِ مروجہ میں ہے۔ بعض لوگ اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور اکثر لوگ اس کے جواز اور استحباب کے قائل ہیں۔"

چنانچہ یہ الحاوی للفتاویٰ میں حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا جن کے متعلق تم نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: "یہ بزرگ فضل و مرتبت کے مالک تھے اور ان کی عظمت پر ہمارا سرِ عقیدت خم ہے۔"

اب ہم ان کا قول نقل کرتے ہیں، پھر دیکھیں گے کہ منکرِ میلاد کا ان کی عظمت کے آگے زبانی سرِ تسلیم خم ہے یا دل سے ان کی عظمت کے قائل ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے یہ ایسی ہی تابعداری ہے جیسے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں ہے تو میرا باپ اور اس کی عظمت و بزرگی کے آگے میرا سرِ تسلیم خم ہے، لیکن اس کی بات ماننے کا میں پابند نہیں ہوں۔

بہر حال علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اوّلاً فاکہانی مالکی جو میلاد شریف کا منکر تھا اور ناجائز کہتا تھا، اس کے دلائل نقل کیے ہیں اور پھر ان کا مکمل رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ھٰذا جمیع ما اوردہ فاکھانی فی کتابہ المذکور۔ واقول اما قولہ لا لا اعلم لھٰذا المولد اصلاً فی کتاب ولا سنۃ فیقال علیہ نفی العلم لا یلزم منہ نفی الوجود۔"

یعنی یہ جو میں نے ذکر کیا ہے کہ فاکہانی کے وہ دلائل تھے جو اس نے اپنی کتاب میں نقل کیے تھے، ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا: "میں کہتا ہوں کہ فاکہانی کا یہ کہنا کہ میں میلادِ مروجہ کا اصل کتاب اور سنّت سے نہیں جانتا۔"

تو علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"میلادِ مروّجہ کا اصل کتاب و سنّت سے تجھے معلوم نہ ہونا اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس کا اصل کتاب و سنّت میں ہو بھی نہیں۔"

"قد استخرج له امام الحفاظ ابو الفضل احمد ابن حجر
اصلاً من السنۃ واستخرجت له اصلاً ثانیا وسیأتی ذکرھا۔"

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "امام الحفاظ حضرت علامہ ابو الفضل ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلادِ مروجہ کا اصل سنّت سے ثابت کیا ہے اور اس کا ایک اصل سنت سے میں نے نکالا ہے جو کہ آگے مذکور ہو رہے ہیں۔"

مقامِ افسوس ہے کہ میلاد شریف کا اصل سنّت سے ثابت کرنے والے علامہ ابن حجر اور علامہ سیوطی، رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن تم نے غلیظ گالیاں مجھے دیں اور اب حیلوں اور بہانوں سے جان نہیں چھوٹتی جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے کہ ان کا کوئی فرمودہ عقل و نقل کے خلاف ہوگا تو ہم اسے تسلیم کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ خدا کے بندے کچھ تو شرم کرو کہ سلف صالحین دین کے معاملہ میں تجھ سے بھی کم معلومات رکھتے تھے؟

کیا ان علماء کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہمارا یہ قول قرآن و سنّت کے خلاف ہے؟

اب ہم علامۂ زماں امام الحفاظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول نقل کرتے ہیں جن میں انہوں نے میلادِ مروجہ کے لیے اصل سنّت سے ثابت کیا ہے اور تم کو بتلانا ہوگا کہ یہ اقوال فلاں آیتِ پاک یا فلاں حدیث شریف کے خلاف ہیں، ورنہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تمہاری کج طبع کے خلاف ہو، تو تم کہہ دو کہ یہ کتاب و سنّت کے خلاف ہے۔

نیز ان علماء کے فرمان کے متعلق یہ کہنا کہ اگر عقل کے خلاف ہو تو اس کے ماننے کے ہم پابند نہیں۔ سچ ہے "بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن۔"

کیا علمائے سلف صالحین کا عقل تجھ کم عقل سے بھی کم تھا کہ ان کے اقوال اگر عقل کے خلاف ہوں تو نتیجہ یہ نکلا کہ سلف صالحین بعض اوقات بے عقلی کی باتیں بھی کہہ دیتے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ہے علمیت و شرافت۔

ان کا قول عقل کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر یہ لکھنا کہ آپ کے پاس کیا معیار ہے کہ یہ عبارت انہی کی ہے۔ تمہارا یہ قول تو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ ہم ان مشہور کتابوں سے حوالہ جات نقل کر رہے ہیں جو ہر مکتب فکر کے پاس موجود ہیں اور سینکڑوں سالوں سے چھپ رہی ہیں۔ نیز آج تک کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ کتابیں ان صاحبین کی جانب غلط منسوب ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں سالوں سے ان میں جو کچھ چھپ رہا ہے۔ آج تک کسی ایک آدمی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے یا یہ عبارت اصل مصنف کی نہیں ہے۔ ہم نے جو حوالہ جات نقل کیے ہیں، اگر جرأت ہے تو کسی ایک مستند شخص کا قول دکھاؤ کہ یہ کتاب فلاں شخص کی جانب غلط منسوب ہے یا اس میں فلاں عبارت مصنّف کی نہیں ہے اور اگر نہ دکھا سکو اور یقیناً نہ دکھا سکو گے، تو پھر یہ کہنا پڑے گا:

"فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ"

"ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"

ابھی وقت ہے، توبہ کا دروازہ کھلا ہے معافی مانگ لو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے پیارے محبوب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لو تاکہ آخرت سنور جائے۔

تو اب تمہارے اس کہنے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت اصل مصنف کی نہ ہو اور آگے بطورِ دلیل پیش کرنا کہ:

"دیکھتے نہیں کہ لوگوں نے بے شمار حدیثیں گھڑ لی ہیں، تو کیا مشکل کہ یہ لوگ کسی صحابی یا بزرگ کی جانب انتساب کریں۔"

جواب غور سے سنو کہ اگر لوگوں نے حدیث گھڑی ہیں تو خدامِ احادیث نے احادیث پاک کی جانچ پڑتال کا طریقہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور ایک ایک حدیث کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ یہ فلاں مرتبہ کی حدیث شریف ہے۔ تمہارے اس قاعدے کے مطابق کہ چونکہ غلط منسوب ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا اقوالِ رجال حجت نہیں ہیں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ

چونکہ احادیث کے موضوع ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کتنی غلط بات ہے۔ بچوں والی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔

اولاً تو علماء کے اقوال پر تم کو اعتبار رگیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی جانب غلط منسوب کیا گیا ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے فاسد و مذموم عقیدہ کے خلاف اگر قول صحابی ہوگا یا تابعی ہوگا تو تم اس کو یہ کہہ کر رد کر دو گے کہ ہو سکتا ہے۔ ان کی طرف کسی نے غلط منسوب کر دیا ہو، مجھے تمہارے رویہ سے یہ خدشہ نظر آرہا ہے کہ اگر تمہارے پلید و نجس عقیدے کے خلاف کوئی آیت پیش کی گئی، تو تم کہہ دو گے کہ چونکہ کتب سابقہ میں تحریف کی گئی تھی، تو ہو سکتا ہے یہ آیتِ قرآنی نہ ہو، کسی نے قرآنِ پاک میں درج کر دی ہو تو اب کسی دلیل کا بھی تمہارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں رہا۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ کسی چیز پر تمہیں یقین نہیں، صرف تمہاری زبان پر اعتبار ہے جس کو تم جائز کہہ دو، وہ جائز اور جس کو تم ناجائز کہہ دو وہ ناجائز اور غلط۔ افسوس صد افسوس تمہارے اس رویہ اور ہٹ دھرمی پر۔

پہلی حدیث پر اعتراض کا جواب

تاریخِ معینہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد والی نعمت کے لیے اظہارِ شکر بصورتِ صدقہ و خیرات، تلاوت اور ولادت باسعادت کا ذکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا ذکر تو فاکہانی مالکی نے اس مذکورہ بالا میلادِ مروّجہ کو بدعت کہہ کر مکروہ یا حرام کہا تھا لیکن علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ ربیع الاوّل معینہ تاریخ جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوتی ہے۔ اظہارِ تشکر کے طور پر صدقہ و خیرات اور وعظ و نصیحت اور حضورِ اکرم کے فضائل و کمالات کا بیان کرنے کو ایک نیکی کا کام کہا ہے اور اس کا اصل سنّت سے ثابت کیا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی صـــ ۱۹۲ پر حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

"قد ظهر لی تخریجها علی اصل ثابت وهو ما ثبت فی الصحیحین من ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قدم المدینة فوجد الیهود یصومون یوم عاشوراء فسألهم فقالوا هو یوم اغرق الله فیه فرعون ونجّی موسیٰ فنحن نصومه شکرا لله تعالیٰ۔"

فرماتے ہیں "یعنی اس میلادِ مروجہ کا اصل ایک حدیث شریف سے ثابت ہونا مجھے معلوم ہوا ہے ایک حدیث سے جو کہ بخاری و مسلم میں ہے، وہ یہ ہے۔ تحقیق نبی اکرم رسولِ اعظم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو پایا کہ وہ یوم عاشورا کو روزہ رکھتے تھے، تو آنحضرت جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے روزہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ یہ وہ یوم مبارک ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی تو ہم اس نعمتِ الٰہی کے شکر میں روزہ رکھتے ہیں۔"

اب حضور اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا یہ جواب سُن کر انکار نہ فرمایا تو علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلیل پکڑی:

"فیستفاد منه فعل الشکر لله علی ما من به فی یوم معین من اسداء نعمة او دفع نقمة ویعاد ذالك فی نظیر ذالك الیوم من کل سنة والشکر لله یحصل بانواع العبادة کالسجود والصیام والصدقة والتلاوة وای نعمة اعظم من النعمة ببروز هذا النبی نبی الرحمة

فی ذالک الیوم بعینہ حتی یطابق قصۃ موسیٰ فی یوم عاشورۃ۔"

"یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہود سے جواب سن کر رد نہ فرمانا" اس سے یہ سمجھا گیا ہے کہ جس یوم معین میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا بصورتِ سجدہ یا روزہ یا صدقہ یا تلاوۃ وغیرہ یہ جائز اور مشروع ہو ہے تو فرماتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہے تو مناسب ہے کہ خاص یومِ ولادت باسعادت کو ہی اظہارِ شکر کے طور پر عبادات بجالائی جائیں تاکہ قصۂ موسیٰ علیہ السلام کے موافق ہو جائے، کیونکہ یہود خاص یوم معین عاشوراء میں ہی اظہارِ تشکر کے طور پر عبادت کرتے تھے، کیونکہ اس دن ان پر اللہ تعالیٰ نے خاص انعام فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور ان کے دشمن فرعون کو غرق کیا۔"

میلادِ مروّجہ جس میں اجتماعی طور پر مل کر ذکرِ ولادت باسعادت سرکارِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور بطورِ شکر صدقہ و خیرات، تلاوت و وعظ ہی ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یہ کام باعثِ خیر و برکت ہے کیونکہ اس نیک کام کا اصل سنّت سے ثابت ہے۔"

منکر میلاد لکھتا ہے:

"صاحب رسالہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں تین احادیث پیش کی ہیں۔"

مولوی صاحب! اپنے عقل کا علاج کراؤ، میلادِ مروّجہ کا اصل سنّت سے ثابت کرنے کے لیے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ احادیث نقل فرمائی ہیں نہ کہ بندہ نے ان احادیث کو پیش کیا ہے۔

عاشوراء کے دن اللہ تعالیٰ نے قومِ موسیٰ علیہ السلام پر یہ احسان فرمایا کہ فرعون والی مصیبت ٹال دی اور وہ ہلاک ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بخیر و عافیت دریا سے پار ہو گئے۔

تو اس نعمت کے شکر کے لیے ہر سال اسی دن میں قوم موسیٰ علیہ السلام روزہ رکھتے تھے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تصدیق ہوگئی کہ نزولِ نعمت کے دن اظہارِ شکر کے طور پر ہر سال عبادت کرنی مشروع اور جائز ہے اور یہ سنّتِ تقریری محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

تو ۱۲ ربیع الاوّل کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا ہے تو اس یومِ معین میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد والی نعمت کی خوشی میں ہر سال بطورِ شکر عبادت کرنی مشروع ہے اور اس کا اصل اسی حدیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے۔

اب اگر یہ حدیث ضعیف اور قابلِ عمل نہیں ہے، تو کسی مستند اور قابلِ اعتماد شخص کا قول پیش کرو اور اگر تخریج غیر صحیح ہے تو کم از کم علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم پایہ کسی شخص کا قول پیش کرو کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلادِ مروجہ کا اصل جو سنت سے ثابت کیا ہے یہ غلط اور غیر صحیح ہے اور اگر تم اپنے طور پر واویلا کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی عقل کا علاج کراؤ۔

یعنی جس دن قوم موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا۔ ہر سال خاص اسی دن میں ان کا بطورِ شکریہ روزہ رکھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہ فرمایا، بلکہ فرمایا، "نحن اولیٰ بموسیٰ منکم" تو نعمت والے معین دن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں صدقہ وخیرات اور وعظ ونصیحت کرنا اس کا اصل اسی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوگیا۔ اب تمہارا وہ قول کہ ان احادیث کا میلاد کے ساتھ ذرہ برابر تعلق نہیں ہے، کہاں گیا؟

منکرِ میلاد کے دوسری حدیث پر اعتراض کا جواب

منکر میلاد نے احادیث پر جو اعتراض کیے ہیں اور لکھا ہے کہ تیسری حدیث فریق مخالف نے پیش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نبوّت اپنی جانب سے عقیقہ کیا تھا، تو اس

سے ثابت ہوا کہ میلاد منانا جائز ہے لکھتا ہے۔

"ناظرین کرام! دیکھ لیا ہے کہ صاحب رسالہ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کتنی وزنی دلیل دی ہے" منکرِ میلاد کو واضح ہو کہ یہ دلیل بندہ نے نہیں دی، بلکہ میلادِ مروّجہ کے استحباب پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلیل دی ہے جس کی تقریر پیچھے گزر چکی ہے اور اب دوبارہ سنیے (الحاوی للفتاویٰ جلد اوّل صہ ۱۹۶ پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

قلت وقد ظهر لی تخریجه علیٰ اصلٍ آخر وهو اخرجه البیهقی عن انسٍ ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة مع انه قد ورد ان جده عبد المطلب عق عنه فی سابع ولادته والعقیقة لاتعاد مرة ثانیة فیحمل ذالك علی ان الذی فعله النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اظهار للشکر علیٰ ایجاد الله ایاه رحمة للعالمین وتشریع لامته کما کان یصلی علیٰ نفسه اذالك فیستحب لنا ایضًا اظهار الشکر بمولده بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذالك من وجوه القربات واظهار المسرات۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میلادِ مروّجہ کا استحباب مجھے ایک اور دلیل سے ثابت ہوا اور وہ حدیث شریف ہے جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد از ادعائے نبوت اپنی جانب سے عقیقہ کیا۔ باوجود اس کے کہ آپ کے دادا عبد المطلب صاحب نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عقیقہ کیا تھا اور عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا۔

تو معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فعل اظہارِ شکر کے لیے تھا جبکہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اظہارِ شکر کے طور پر عقیقہ کرنا امت کے لیے یہ فعل مشروع بنانے کے لیے تھا، یعنی آنے والے لوگ میری تابعداری کرتے ہوئے میری آمد کے شکر کے لیے اللہ کی عبادت کر سکیں، جیسے امت کے لیے مشروع بنانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات پر درود شریف بھیجتے تھے تاکہ غلاموں کے لیے مجھ پر درود شریف بھیجنا مشروع ہو۔ تو اب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ماقبل پر متفرع کیا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے وجود والی نعمت پر اظہارِ شکر کیا ہے تو ہم غلاموں کے لیے مستحب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت والی نعمت کے شکر کے لیے اجتماع کریں اور طعام کھلائیں اور دوسری عبادات اور خوشی کریں۔"

اب منکرِ میلاد اپنی آنکھوں سے بغض و عنادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پٹی کھول کر غور کریں کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ولادت باسعادت کے دن اجتماع اور مسکینوں کو کھانا کھلانا اور وعظ و نصیحت اور اظہارِ سرور کو مستحب فرما کر اس کی مشروعیت کی دلیل پکڑ رہے ہیں، وہی حدیث جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے تو میلادِ مروجہ اظہارِ سرور کے طور پر اجتماع اور وعظ و نصیحت اور صدقہ و خیرات کے مجموعہ کا نام جس کا اصل امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث شریف سے ثابت کیا ہے تو اب منکرِ میلاد مجھے کیسے کہہ سکتا ہے کہ صاحبِ رسالہ نے کتنی وزنی دلیل دی ہے۔ بندہ تو ناقل ہے اور ناقل کے ذمے تصحیح نقل ہوتی ہے۔ اگر الحاوی للفتاویٰ مصنفہ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نہ ہو تو بندہ مجرم ہے اور اگر الحاوی للفتاویٰ میں یہ عبارت نہ ہو تو بندہ ذمہ دار ہے۔

جب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میلادِ مروجہ کے استحباب پر دلیل پکڑ رہے ہیں۔ حدیث شریف اور اسی حدیث شریف کو میلاد کا اصل بنا رہے ہیں تو پھر تم مجھ پر اعتراض کیسے کر سکتے ہو؟ باقی تمہارا یہ کہنا کہ شرح مواہب اللدنیہ میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

۲۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور انہوں نے "انسان العیون" میں اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

کچھ شرم کرو تمہارا اپنا قول ہے اقوال رجال حجت نہیں ہوتے۔ جب تمہارے نزدیک اقوال رجال حجت ہیں، تو پھر اقوال رجال بطور دلیل نقل کیوں کرتے ہو؟ یا یہ مطلب ہے کہ ہم اثباتِ میلاد میں پیش کریں تو حجت نہیں اور تم اپنے مذموم مقاصد کی تائید میں نقل کرو تو حجت ہیں یہ عجیب منطق ہے۔

جناب! تمہیں یہ اقوال نظر آگئے ہیں اور کیا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان اقوال پر اطلاع نہ تھی کہ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔ حیرانی کی بات ہے۔ اسی "انسان العیون" میں مذکور ہے:

وفی حدیث انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد ماجاءتہ النبوۃ قال الامام الاحمد ھذا منکر ای حدیث منکر والحدیث المنکر من اقسام الضعیف لا انہ باطل کما قد یتوھم۔

"یعنی یہ حدیث کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا، امام احمد نے فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔ یعنی اقسام ضعیف میں سے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ باطل ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے"۔

یعنی یہ حدیث فضائلِ اعمال میں معتبر ہے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو قابلِ استدلال سمجھتے ہوئے اس چیز کی جانب توجہ نہیں کی۔ کیا تم کو حدیث منکر کا لفظ تو نظر آگیا اور خود "انسان العیون" والے نے جو اعتراض کا جواب دیا ہے، وہ نظر نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ کا خوف کرو، کیوں عداوتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر کمر باندھ لی ہے؟ جب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا شخص اس حدیث سے دلیل پکڑتا ہے اور جید علماء کرام اس کو

قابلِ استشہاد فرما رہے ہیں، تو پھر اعتراض کا مقصد صرف اپنی جہالت اور بغض باطنی ظاہر کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

علامہ برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انسان العیون صنا میں فرماتے ہیں:

ثم لا زال اھل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصّدقات ویقنون بقراۃ مولدہ الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم قال ابن الجوزی من خواصہ انہ امان فی ذلک العام وبشری عاجلۃ نبیل البغیۃ والمرام وقد استخرج لہ الحافظ ابن حجر اصلاً من السنّۃ وکذا الحافظ السیوطی وردا علی الفاکھانی المالکی فی قولہ ان عمل المولد بدعۃ مذمومۃ؟

"پھر ہمیشہ سے اہلِ اسلام جمیع اطراف والے اور بڑے بڑے شہروں والے میلاد شریف کرتے آرہے ہیں اور ربیع الاول شریف کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات اور خیرات کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ ولادت باسعادت کا قصد کرتے ہیں" اور ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضائل وبرکات ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت امام جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میلادِ پاک کے خواص سے یہ ہے اور اس سال میلاد کرنے والوں کے لیے مصائب سے امان ہوتی ہے اور اس کے حصولِ مقاصد کے لیے خوشخبری عاجلہ ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میلادِ مروجہ کا اصل سنّت سے ثابت کیا ہے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی میلادِ مروجہ کا اصل سنّت

سے ثابت کیا ہے اور دونوں نے فاکہانی مالکی کا رد کیا ہے جوکہ اس نے میلادِ مروجہ کو بدعتِ مذمومہ کہا تھا۔"

اب یہ قول علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یا صاحبِ رُوح البیان کا نہیں ہے۔ یہ علامہ بُرہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جن کے اقوال کے حوالے تم نے خود نقل کیے ہیں۔ یعنی یہ ان ہی لوگوں سے ہیں جن کے بارے میں تم نے خود کہا ہے کہ ان کی عظمت کے آگے ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ امام برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف میلادِ مروجہ کو باعثِ ثواب سمجھ کر اس کے برکات ہی بیان نہیں فرما رہے، بلکہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی نقل فرما رہے ہیں کہ انہوں نے فرمایا سارے سال کے لیے باعثِ امان ہوتا ہے۔ (انعقاد محفلِ میلاد شریف) اور حصولِ مقصد کے لیے خوشخبری عاجلہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ مروجہ میلاد شریف کا اصل حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنّت سے ثابت کیا ہے اور فاکہانی مالکی جس نے مروجہ میلاد شریف کو بدعتِ مذمومہ کہا تھا، دونوں صاحبان نے اس کا رد کیا ہے۔

اگر تم کو علامہ روح البیان اور علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بغض وعناد ہے، تو "انسان العیون" والے علامہ برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تو مانو، لیکن جس نے طوطے کی طرح میں نہ مانوں ہی کا سبق پکایا ہو، وہ کب مانے گا۔

جس کتاب زرقانی مواہب اللدنیہ کا تم نے حوالہ دیا ہے کہ اس نے اس حدیث شریف کو منکر کہا ہے۔ اسی زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں چند سطور قبل یہ بھی مذکور ہے: قال الحافظ ابن حجر فی جواب سوال وظهر لی تخریجه علی اصل ثابت و هو ما فی الصحیحین ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قدم المدینة فوجد الیهود یصومون یوم عاشوراء فسالهم فقالوا هو یوم اغرق اللہ

فیہ فرعون ونجی موسیٰ ونحن نصومہ شکرا۔

"یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا میلادِ مروجہ کے بارے میں، تو انہوں نے فرمایا مجھے اس کا اصل حدیث سے معلوم ہوا جو کہ بخاری ومسلم میں موجود ہے، وہ یہ کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ شریف تشریف لاتے تو یہود کو پایا کہ وہ عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے روزہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی، تو اس نعمت کے شکر میں ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں۔"

"فیستفاد منہ فعل الشکر علی ما منّ بہ فی یوم معیّن"

یعنی یہود کا یومِ عاشورا، تاریخ معیّن کو ہر سال شکرِ نعمت کے لیے روزہ رکھنا اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سن کر انکار نہ فرمانا اس سے یہ چیز ثابت ہوگئی کہ جس یومِ معیّن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل ہو، ہر سال اس معیّن یوم میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا جائز ہے، بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت ہے، کیونکہ کسی کام کو دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے منع نہ فرمائیں تو وہ کام جائز اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّتِ تقریری بن جاتا ہے۔

وای نعمۃ اعظم من بروز النبی نبی الرحمۃ والشکر یحصل بانواع العبادات کالسجود والصیام والصدقۃ والتلاوۃ؟

اور فرماتے ہیں "اور کونسی بڑی نعمت ہے ظہور نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر حاصل ہوتا ہے، عبادات کے ذریعے مثلاً سجدہ ہو یا روزہ یا صدقہ ہو، یا خیرات یا تلاوتِ قرآن پاک۔"

یعنی نزولِ نعمت کے معیّن دن میں بطورِ شکر ہر سال عبادت کرنا یہ حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تقریری ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہے، لہذا ہر سال آپ کی ولادت کے دن اظہارِ شکر کے طور پر صدقہ وخیرات اور تلاوتِ قرآن پاک وغیرہ اس کا اصل سنت سے ثابت ہوگیا۔

میں پوچھتا ہوں وہ دو لفظ تمہیں نظر آگئے اور اتنی عبارت تم نہ دیکھ سکے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس حدیث کو علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اصل میلادِ مروجہ بنانے پر علامہ زرقانی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، تو معلوم ہوا علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حدیث مستند قابلِ استدلال ہے اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس حدیث شریف سے میلاد شریف کا اصل ثابت کرنا بھی صحیح ہے۔

اگر تسلی نہیں ہوتی تو اور سنیے: سید علامہ احمد زینی دحلان نے "السیرت النبویہ" ص۴۵ پر فرمایا: عمل المولد واجتماع الناس له كذالك مستحسن۔"

"یعنی میلاد شریف کرنا اور لوگوں کا اس کے لیے اجتماع کرنا نیکی کا کام ہے۔"

اور امام ابوشامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ استاذ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہے کا قول نقل فرمایا:

"مايفعل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الصدقات والمعروف واظهار الزينة في ذلك مع ما فيه من الاحسان للفقراء مشعر بمحبة النبي وتعظيمه في قلب فاعل ذلك وشكر الله على ما من به من ايجاد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذي ارسله رحمة للعلمين۔"

"یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت میں ہر سال جو صدقات اور نیکی کے کام کیے جاتے ہیں اور اظہارِ زینت کیا جاتا ہے۔ ایک تو اس میں فقراء کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی خبر دینے والا ہے اور نیز یہ فعل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پر دلالت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اس نعمت کا شکر بھی ہوگا۔"

اور ساتھ ہی ساتھ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقل فرمایا:

ثم لا زال اہل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویعتنون بقرأۃ مولدہ الکریم ویظہر من برکاتہ کل فضلٍ عمیمٍ۔

"پھر ہمیشہ سے اہل اسلام تمام جوانب سے اور بڑے بڑے شہروں والے میلاد شریف کرتے ہیں اور ربیع الاول شریف کی راتوں میں قسم قسم کے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد شریف پڑھنے کا قصد کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی برکات، رحمتیں اور بخششیں ہوتی ہیں۔"

پھر فرمایا: قال ابن جوزی من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشریٰ عاجلۃ بنیل البغیۃ والمرام۔

"یعنی امام ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میلاد شریف کے خواص وبرکات میں سے یہ ہے کہ سارا سال میلاد شریف کرنے والا امن میں ہوگا اور مقصد حاصل ہونے کے لیے جلد آنے والی خوشخبری ہوگی۔

اور آگے فرمایا: واستنبط الحافظ ابن حجر تخریج عمل المولد علیٰ اصل ثابت فی السنۃ وھو ما فی الصحیحین الخ

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میلادِ مروّجہ کا اصل اس حدیث سے ثابت کیا ہے جو کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں مذکور ہے۔

سید علامہ زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ صرف خود استحباب مولد کا قول کیا ہے، بلکہ علماء متبحرین کے اقوال بھی بطورِ استشہاد پیش فرماتے ہیں اور ساتھ ہی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

نے جو میلادِ مروجہ کا اصل سنت سے ثابت کیا تھا وہ بھی نقل کیا ہے۔ اگر میلادِ مروجہ کے لیے وہ حدیث جو پیچھے مذکور ہو چکی ہے، دلیل نہ بن سکتی، تو علامہ زینی دحلان، علامہ ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کی تخریج اور استنباط پر اعتراض کرتے نہ کہ تصدیق تو جب علامہ زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے فاضل کے نزدیک میلادِ مروجہ کا اصل اس حدیث شریف سے ثابت کرنا صحیح ہے تو طفلِ مکتب کی کیا جرأت ہے کہ اس استنباط پر اعتراض کرے۔

ہاں! اگر جرأت ہے تو کسی ایک مستند شخص کا قول پیش کرے کہ جنہوں نے استنباط علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض کیا ہو ورنہ چاہیئے منکرین کی ساری جماعت ایسے نازیبا حرکات سے باز آجائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرے۔ اب اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ربیع الاول شریف کی فضیلت کا بیان فرمایا ہے۔ تو سنو علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ الحاوی للفتاویٰ صـ۱۹۳ میں فرماتے ہیں:

لکن اشار علیہ السلام الیٰ فضیلۃ ھذا الشھر العظیم بقولہ للسائل الذی سألہ عن صوم یوم الاثنین ذالک الیوم یوم ولدت فیہ فتشریف ھذا الیوم متضمن لتشریف ھذا الشھر الذی ولد فیہ فینبغی ان تحترم لہ حق الاحترام۔

"یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ربیع الاوّل شریف کی فضیلت کی جانب اشارہ فرمایا اپنے قولِ مبارک کے ساتھ، جبکہ آپ سے ایک شخص نے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا اور آپ نے فرمایا یہ میرا یومِ ولادت ہے تو چونکہ یہ دن اس مہینہ میں تھا، تو اس دن کی عزت مہینۂ ربیع الاول کی عزت کو متضمن ہے تو جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس یومِ ولادت کے ذریعے اس ماہ کی عزت فرماتے ہیں تو ہم غلاموں کو بھی چاہیئے کہ اس مہینہ مبارک کا پورا پورا احترام کریں۔"

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احترام ربیع الاوّل شریف کا مشورہ دے رہے ہیں اور منکرِ میلاد اس احترام کو بدعت اور حرام کہہ رہا ہے۔

اب ناظرین پر انصاف ہے کہ جس کی چاہیں مانیں؛

تیسری حدیث پر منکرِ میلاد کے اعتراض کا جواب

منکرِ میلاد نے لکھا ہے:

"فریقِ مخالف نے اس دلیل کا سہارا بھی لیا ہے کہ ولادت کی خوشی میں ابولہب نے لونڈی کو آزاد کیا، تو ہر پیر کے دن اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ یہ دلیل کسی طرح فریقِ مخالف کے لیے سود مند نہیں ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ قرآن کریم کی صریح نص کے خلاف ہے اور نص قرآنی کے مخالف حدیث کو حجت پیش کرنا بڑی جسارت ہے۔

ابولہب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ — یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں

لیکن کج فہم صاحبزادہ نص قرآنی کے مقابلے میں خواب کی بات کو جو حجت نہیں بن سکتی بطورِ دلیل پیش کرتا ہے کہ دونوں ہاتھ مکمل تباہ نہیں ہوئے، ایک انگلی تباہی سے بچ کر اسے پانی دیتی رہتی ہے۔"

ناظرین کرام! منکرِ میلاد نے اپنی لاعلمی کا ثبوت دیتے ہوئے بیہودہ اعتراض کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث شریف صحیح سند کے ساتھ بخاری شریف میں موجود ہے۔ شارحینِ بخاری نے حدیث شریف پر کوئی جرح و قدح نہیں کی، بلکہ اُلٹا اس حدیث شریف سے جو فوائد مستنبط ہو رہے تھے وہ بیان کیے ہیں، لیکن کم فہم منکرِ میلاد کو یہ حدیث شریف نص قرآنی کے مخالف ہی نظر آتی ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ منکرِ میلاد اور ان کے تمام ہم مشربوں کو نہ تو قرآن پاک کا احترام

ہے اور نہ ہی حدیث کا پاس ہے، واہی تباہی من گھڑت باتوں کی آڑ لے کر قرآن اور حدیث کی تحریف کرتے ہوئے اپنے مذموم مقاصد کے اثبات کی کوشش کرتے ہیں۔ تَبَّتْ یَدَا کے الفاظ دیکھ کر اپنی علمیت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ معلوم ہوتا ہے کسی تفسیر کو دیکھنا تک نصیب نہیں ہوا، ورنہ یہ جاہلانہ اعتراض نہ کرتا۔

کم فہمی اور جہالت کی انتہا ہے کیا "تبّت یدا ابی لھب" کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب کے ہاتھ گر پڑے تھے یا سوکھ گئے تھے اور اگر بالفرض ہاتھ گر ہی جاتے یا سوکھ جاتے، تو کیا جس شخص کے ہاتھ عالمِ دنیا میں کٹ جائیں یا سوکھ جائیں تو موت کے بعد وہ شخص جنت یا دوزخ میں بغیر ہاتھوں کے جائے گا؟ منکرِ میلاد کے اعتراض پر غور کریں اور استعدادِ علمی کی داد دیں۔ قرآن و حدیث میں خوب تعارض بتایا ہے۔ اگر تبّت یدا کا یہی مطلب ہے جو تو نے سمجھا ہے، تو کافر اپنے مردوں کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں، ان کا جسم ختم ہو جاتا ہے، تو کیا ان کے اجسام دوزخ میں نہ جائیں گے، کتنا جاہلانہ اور طفلانہ سوال ہے۔

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے :

"اعلم ان قوله تبّت یدا فیه اقاویل۔" یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان تبّت یدا ابی لھب" اس میں متعدد اقوال ہیں احدھا التباب الھلاك۔ قولِ اول تبّت تباب بمعنیٰ ہلاکت سے ہے، یعنی معنوی ہلاکت اس پر استشہاد پیش کرتے ہیں :

والذی یقرر ذالك ان الاعرابی لما وقع اهله فی نهار رمضان قال هلکت و اهلکت۔

یعنی ہلاکتِ معنوی والے، معنیٰ کو اعرابی کا قول پختہ کرتا ہے جو کہ ماہِ رمضان المبارک میں اپنی بیوی کے ساتھ قربت کر بیٹھا اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ھلکت و اھلکت میں خود ہلاک ہو گیا اور بیوی کو بھی ہلاک کر دیا، تو مراد وہی ہلاکتِ معنوی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذا کان بترك العمل حصل الهلاك ففی حق ابی لهب حصل ترك الاعتقاد والقول والعمل فكيف يعقل ان لا يحصل معنی الهلاك۔

یعنی اعرابی نے صرف عمل ترک کر دیا تھا، تو وہاں ہلاکت کا اطلاق آ گیا اور ابولہب کے حق میں تو ترکِ اعتقاد اور ترکِ عمل اور ترکِ قول ہے، تو پھر کس طرح متعقل ہو سکتا ہے کہ ابولہب پر ہلاکت کا اطلاق نہ ہو۔

ثانیہا: تبت خسرت والتباب الخسران۔ دوسرا قول ہے کہ تباب خسران ہے اور معنی ہے ابولہب نقصان میں ہے۔

ثالثہا: تبت خابت یعنی محروم ہونا مقصد حاصل نہ ہونا معنی ہوا ابولہب محروم ہے۔ باوجود ابولہب کے لوگوں کے منع کرنے کے لوگ نہ رکتے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تبت یدا ابی لهب الخ "فكانه خاب سعيه، وبطل غرضه"۔ یعنی گویا کہ اس کی غرض باطل ہو گئی اور کوششیں ضائع ہو گئیں۔

"عن ابی وثاب صفرت یداه عن کل خیر"

"یعنی ابن وثاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تبت یدا ابی لهب کا معنی ہے کہ ابولہب کے ہاتھ ہر خیر سے خالی اور بند ہیں۔"

اُن قیل ما فائدۃ ذکر الیدین قلنا فیہ وجوہ۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر معانی وہ ہیں جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں یعنی ابولہب کی ہلاکتِ معنوی یا ابولہب کا نقصان اٹھانا یا ابولہب کا نامراد ہونا تو ہاتھوں کے ذکر کرنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کو ابولہب اپنے ہاتھوں میں پتھر لے کر زخمی کرتا تھا، تو اس لیے ظاہراً ہلاکت کی نسبت ہاتھوں کی جانب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تبت یدا ابی لھب۔

ثانیھا المراد من الیدین الجملۃ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر ہاتھوں کا ہے اور مراد خود ابولہب کی ذات ہے، یعنی مجاز ہے ذکر جزء اور اور ارادہ کل کا ہے۔

ثالثھا: تبت یدا ابی لھب۔ یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ سے مراد دین و دنیا ہے، یعنی ابولہب کا دین بھی ضائع اور مال بھی برباد۔ تو کیا اب تعارض والا اعتراض ہو سکتا ہے، اس مذکورہ بالا تحقیق کے بعد اگر کوئی شخص کہے۔ اولاً اس لیے کہ قرآن کی صریح نص کے خلاف ہے اور نص قرآنی کے مخالف حدیث کو حجت میں پیش کرنا بڑی جسارت ہے۔

اب جب تبت یدا ابی لھب کا معنیٰ تفسیروں کی رو سے واضح ہو گیا تو فرمائیے حدیث شریف پر اعتراض کرنا اور حدیث صحیح کو قرآن کریم کے معارض کہنا جسارت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ ہے مطالعہ اور لیاقت علمی اور اعتراض ہے اور لوگوں پر۔

اب کوئی کم فہم جان چھڑانے کے لیے یہ کہے کہ اس حدیث میں خواب کی بات ہے، لہذا یہ دلیل بننے کے قابل نہیں ہے، تو اس حدیث شریف کو اس چیز پر بطورِ دلیل پیش کیا گیا تھا کہ یوم ولادت سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اظہارِ سرور کرنا باعثِ برکت ہوتا ہے جو کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس حدیث شریف سے یقیناً ثابت ہے کیونکہ اس حدیث پاک کو امام بخاری کا نقل کرنا اور شارحین بخاری کا اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا، بلکہ اس حدیث شریف سے جو فوائد مستنبط ہو رہے تھے، ان کا بیان کرنا اس حدیث شریف کی صحت اور حجیت کے لیے کافی ہے؟

لغوی اور شرعی بدعت کا فرق

اولاً ہم بدعت کی تحقیق کرتے ہیں، پھر ناظرین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ لغوی بدعت کا اطلاق سنّت بلکہ واجب پر بھی ہو سکتا ہے اور لغوی بدعت و سنّت میں کوئی منافات نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح اربعین میں فرمایا ہے:

"ھی بلغۃ ما کان مخترعا علی غیر مثال سابق منہ بدیع السموٰت والارض ای موجدھا علیٰ غیر مثال سابق۔"

یعنی بدعت لغت میں ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی مثل پہلے نہ ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا اور اس کی مثال نہ تھی۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بدیع السموات والارض کا اطلاق آگیا۔

آگے پھر فرماتے ہیں: "شرعاً ما احدث علیٰ خلاف امر الشارع و دلیلہ الخاص او العام۔"

اور شرع شریف میں بدعت کہتے ہیں، ہر اس نئے کام کو جو کہ مخالف حکم شارع کے یا شارع کی دلیل خاص یا عام کے مخالف ہو۔

ہر نیکی کے کام کو بدعت اور ضلالت کا فتویٰ لگانے والے بعض احادیث سے استدلال پکڑتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کو نقل کر کے ان کے معانی کی وضاحت کر دی جائے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم و محدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ"

بچاؤ اپنے آپ کو نئے کاموں سے پس تحقیق ہر بدعت ضلالت ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

"من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھو رد"

"جس شخص نے ہمارے اس امر یعنی دین میں نیا کام نکالا وہ مردود ہے۔"

تو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان احادیث کے تحت شرح اربعین میں فرمایا ہے:

"ان المراد بالمحدث الذی ھو بدعۃ ضلالۃ مالیس له اصل فی الشرع وان الحامل علیه مجرد الشھوۃ والارادہ فھذا باطل قطعاً بخلاف محدث له اصل فی الشرع فانه حسن"۔

یعنی اس سے مراد کہ احادیث میں جس نئے کام کو بدعت اور ضلالت کہا گیا ہے یہ ہے کہ جس چیز کا اصل شرع شریف میں نہ ہو اور اس پر برانگیختہ کرنے والی محض خواہش انسانی اور ارادہ ہو اور وہ نیا کام جس کا اصل شرع شریف میں ثابت ہو، وہ اچھا کام اور باعث ثواب ہوتا ہے۔

معلوم ہوا جس بدعت پر ضلالت کا حکم لگایا جا رہا ہے، وہ شرعی بدعت ہے یعنی ہر وہ کام جو امر شارع اور اس کی دلیل عام یا خاص کے مخالف ہو، وہ ضلالت ہے۔

علامۂ زمان حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

من احدث حدثاً ای فعل فعلاً لا اصل له فی الشرع۔

یعنی احدث حدثاً کا معنیٰ ہے کوئی شخص ایسا کام کرے جس کی اصل شرع شریف میں نہ ہو، وہ بدعت اور ضلالت ہے اور مردود ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں: "مراد چیزے است کہ مخالفِ دین باللہ باشد" (یعنی مغیّرِ دین باشد)

نیا کام بدعت و ضلالت تب ہوگا، جبکہ دین کے مخالف اور دین کو تبدیل کرنے والا ہو، یعنی ہر نئے کام پر بدعتِ لغوی کا اطلاق تو ہو جائے گا، لیکن شرعی بدعت جس کو شارع علیہ السلام

نے ضلالت، اور مردود فرمایا تب ہوگا، جبکہ دین کے مخالف اور دین کے لیے مغیر ہوگا۔

مولوی عبدالحی لکھنوی دیوبندی اپنے فتاویٰ ص۔ پر تحریر فرماتے ہیں:

"محدث امریست کہ وجود آں بخصوصیت در ازمنہ ثلاثہ یعنی زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در زمان صحابہ وزمان تابعین مشہود لہا بالخیر ہستند نباشد ونہ اصلش از ادلہ اربعہ یعنی کتاب و سنت واجماع وقیاس یافتہ شود۔"

یعنی حدیث شریف میں جن نئے کام کو محدث بدعت اور ضلالت کہا گیا ہے وہ کام ہے کہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جو کہ مشہود لہا بالخیر ہیں نہ ہو اور اس کام کی اصل ادلہ اربعہ سے ثابت نہ ہو، یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس میں سے اس کا اصل ثابت نہ ہو تب وہ کام بدعت شرعی یعنی ضلالت اور مردود ہوگا۔

یہی مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب پھر فرماتے ہیں:

"پس ہر محدثیکہ وجودش بخصوصہ در زمانے از ازمنہ ثلاثہ نباشد، لیکن سندش در دلیلے از ادلہ اربعہ یافتہ شود مستحسن خواہد شد مثل بنائے مدارس زا جملہ فقہا، شرقاً و غرباً و محدثین جنوباً شمالاً مستحسن می نویسند حالانکہ وجودش در زمانہ نبوی نہ بود، مگر اصلش از حدیث اذا مات ابن آدم انقطع الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع او ولا صالح یدعو لہ ثابت می شود، لہٰذا حکم باستحسانش دادند در بدعۃ ضلالۃ داخل نہ ساختند۔"

یعنی ہر نیا کام کہ جس کا وجود بخصوصہ تین زمانوں میں یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کا زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا زمانہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں نہ ہو، لیکن اس کی سند ادلہ اربعہ یعنی قرآن وسنت اور اجماع یا قیاس سے مل جائے تو وہ نیکی کا کام ہوگا، بدعۃ ضلالہ نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں مدارس کو دیکھو تمام فقہا، اور محدثین شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً ان کو مستحسن اور اچھا کام اور باعث خیر سمجھتے ہیں، حالانکہ

مدارس کا وجود بخصوصہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا، لیکن اس کا اصل ایک حدیث شریف سے ثابت ہے، یعنی جب ابن آدم علیہ السلام مر جاتا ہے، تو تمام چیزوں سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے، بغیر تین چیزوں کے یعنی صدقہ جاریہ اور علم جس سے نفع پکڑا جا رہا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لیے نیک دعا کرے، یعنی مرنے والا اپنی زندگی میں ایسا صدقہ کر گیا جو جاریہ ہے تو اس کو ثواب بعد فوتگی ملتا رہے گا۔ نیز علم جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہو، یعنی شاگرد اس کے پیچھے ہیں یا مدارس جاری کر گیا ہو تو اس کا بھی اس کو ثواب بعد وفات ملتا رہے گا یا اس کی نیک اولاد اس کے پیچھے اس کے لیے دعا کرے گی، تو اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ اب چونکہ مدارس کی اصل اس حدیث سے ثابت ہو رہی ہے، لہٰذا مدارس کو بدعت وضلالت نہ کہا جاتے گا، بلکہ نیکی کا کام اور باعث ثواب ہوں گے، یعنی یہ بدعت شرعی نہ ہوں گے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

"قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ما احدث وخالف کتابا او سنۃً او اجماعًا او اثرًا فھو بدعۃ الضالۃ وما احدث من الخیر ولم یخالف شیئًا من ذالک فھو بدعۃ المحمودۃ۔"

یعنی حدیث شریف میں جو احدث حدثًا فرمایا تو مراد وہ نیا کام ہے جو قرآن کریم کے مخالف ہو یا سنت یا اجماع کے یا اثر صحابی کے مخالف ہو، وہ بدعۃ ضالۃ ہوگا اور جو نیا نیکی کا کام ہوگا اور قرآن وسنت اور اجماع کے مخالف نہ ہو تو بدعۃ محمودہ ہوگا، یعنی لغوی بدعۃ ہوگا، لیکن اس کو بدعۃ ضالہ نہ کہیں گے اور مروجہ میلاد کا اصل تو سنت سے ثابت ہے۔ پھر جیسا کہ قبل ہم نے اس کے جید علماء کے حوالے پیش کر چکے ہیں تو اب جو شخص میلادِ مروجہ کو بدعۃ ضالہ کہے گا، وہ دین سے بے بہرہ، جاہل اور ضال ہے، کیونکہ سابق تحقیق سے اظہر من الشمس ہو چکا ہے کہ بدعۃ ضلالۃ وہ کام ہے جن کا اصل ادلہ اربعہ

سے ثابت نہ ہو یا وہ کتاب و سنّت اور اجماع یا اثر کے مخالف ہو تو اب یہ مروجہ میلاد کون سی شرعی دلیل کے مخالف ہے بلکہ اس کا اصل علماء نے سنّت سے ثابت کیا ہے تو یہ بدعۃ ضلالہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ناظرین کرام! غور فرمائیں ہم نے گزشتہ رسالہ میں بدعت کی تعریف اور تقسیم وغیرہ کی تو منکرِ میلاد بوکھلاہٹ کے عالم میں بادلِ ناخواستہ بدعت کی تقسیم کا اقرار کر بیٹھا۔ صاحب کتابچہ منکرِ میلاد لکھتا ہے غور سے سن لو۔ یہ تقسیم لغوی بدعۃ کی ہے۔ شرعی اصطلاح والی وہ بدعۃ نہیں ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ضلالت کہا ہے۔ اب مان بیٹھا کہ ایک بدعۃ لغوی بھی ہے اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

اس کے بعد منکرِ میلاد کی علمی تحقیق سننے کے قابل ہے۔ شرعی بدعت کو سمجھنے کے لیے نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی سنیئے:

"خیر الهدی هدی محمد وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة"

یعنی بہترین نمونہ اور سیرتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے اور وہ کام بُرے ہیں جو نئے نئے گھڑے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس حدیث میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت کا بدعۃ سے تقابل کر کے یہ بات واضح فرما دی کہ آپ کی سنت اور سیرت کے خلاف جو بھی نیا کام کیا جائے گا، وہ بدعۃ ہو گا۔

سبحان اللہ! شرعی بدعۃ ایسی سمجھائی کہ بات پہلے سے بھی زیادہ الجھ گئی۔ خدا کے بندے! سیرت کا معیار کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی تحقیق دیکھنی اور سمجھنی نصیب نہیں ہوئی۔ جب تک مندرجہ بالا تحقیق کو پڑھا نہ جائے لغوی اور شرعی بدعۃ کا فرق کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ منکرِ میلاد کی ایک اور علمی موشگافی ملاحظہ فرمائیں اور فاضلِ مصنّف کے علم و فضل کی داد دیں اور ساتھ ہی شریف زادہ کی شریفانہ گفتگو بھی سنیں، ملاحظہ ہو:

"صاحب رسالہ نے بد دیانتی سے کام لے کر حضرت فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ)
کے جملہ "نعمۃ البدعۃ ھٰذہٖ" کو ایک کلیہ بنا کر بدعت کی تقسیم کی ہے اور بدعت کے
حسنہ ہونے کا ایک نقطہ پیدا کیا ہے۔"

قارئین کرام! سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نہ باشد" جھوٹے آدمی کا حافظہ نہیں ہوتا۔
یہاں بدعت کی تقسیم سے صاف انکار ہے اور چند سطور بعد میں بدعت کی تقسیم کا خود اقرار کر بیٹھا۔ یہ
بدحواسیاں، کم فہمی، کم علمی اور جھوٹ کی علامات ہیں۔ نیز منکرِ میلاد لکھتا ہے:

"لیکن ان کو کون سمجھائے کہ تراویح حضور کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھیں، مگر
حضور علیہ السلام نے باجماعت تراویح پر مداومت نہیں فرمائی۔ یہ پورا سلسلہ مسنون
تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طریقۂ مسنونہ کو ہمیشہ کے لیے جاری
کر دیا ہے اور یہی معنی ہے۔ اس حدیث کا جو آپ نے دھڑلے سے اپنے مذموم
مقصد کے لیے پیش کی ہے من سن سنۃ حسنۃ الخ۔"

بہت خوب جناب! سمجھانے والے بھی آپ جیسے سمجھدار باسلیقہ لوگ ہوں جو حدیث
پاک کی وہ تشریح کریں کہ خود مرتکبِ گستاخی ہو کر قعرِ مذلت میں جا گریں۔ جناب والا! پوری
حدیث شریف اس طرح ہے:

"من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا لا
ینقص من اجورھم ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا
ووزر من عمل بھا۔"

ارے نام کے فاضل! تم نے حدیث کے پہلے حصے میں من سن سنۃً حسنۃً سے مراد سنّت
کا کام لیا ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت کو جاری کرنے والے کو ثواب ہوگا۔
تو اب جو دوسرے حصے میں ہے من سن سنۃً سیئۃً تو اس میں بھی آپ کو سنۃً سے سنّت
کا کام لینا پڑے گا۔ یعنی جو سُنّت کا بُرا کام جاری کرے گا، اس کے اوپر گناہ ہوگا اور جو شخص

یہ کام کرے گا، اس کا گناہ اس پہلے شخص کو ہوگا۔

تو مولوی صاحب! کیا تمہارے نزدیک بعض سنت کے کام بُرے بھی ہوتے ہیں۔ یہ حدیث شریف ہے یا بازیچہ طفلاں ہے۔ اگر تصنیف اور علمی تحقیق آسان ہوتی تو ہر شخص مصنف اور محقق ہوتا۔ اگر سن سنۃً حسنۃً سے مراد طریقہ مسنونہ لوگے تو سن سنۃً سیئۃً میں بھی طریقہ مسنونہ لینا پڑے گا اور طریقہ مسنونہ کو بُرا مانوگے تو ایمان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ فللہ الحمد کہ صحیح العقیدہ مسلمانوں پر مشرک اور بدعتی کا فتویٰ لگانے والا خود ورطۂ حیرت میں جاگرا ؎

پھنسا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اگر منکرِ میلاد من سنّ سنۃً حسنۃً اور من سنّ سنۃً سیئۃً سے طریقہ مسنونہ اچھا اور طریقہ مسنونہ بُرا مراد لیتا ہے تو بوجہ طریقہ مسنونہ کو بُرا کہنے کے ایمان سے فارغ ہوگیا اور اگر من سنّ سنۃً حسنۃً اور من سنّ سنۃً سیئۃً کا معنی کرتا ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی بہتر طریقہ جاری کرکے اس پر عمل کرے تو اس اچھے طریقے کا ثواب ملے گا اور جن لوگوں نے اس طریقہ پر عمل کیا ہے، اس کا بھی پہلے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی نقصان نہ ہوگا اور جس شخص نے بُرے طریقے کو جاری کیا، اس پر اس شخص کو گناہ ہوگا اور دوسرے کرنے والوں کا بھی اس کو گناہ ہوگا۔ تو اب بدعۃ کو دو قسم ماننا پڑتا ہے کہ ایک نیا کام اچھا ہے کہ اس کے جاری کرنے والے کو ثواب ملے گا اور دوسرے کرنے والے کا بھی اس کو ثواب ملے گا یہ ہے بدعتِ حسنہ۔ اور ایک نیا کام بُرا ہے کہ اس بُرے کام کے جاری کرنے والے کو اپنا بھی گناہ ہوگا اور ساتھ ہی دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی اس کو گناہ ہوگا یہ ہے بدعتِ ضلالہ اور بدعت سیئہ۔ اب منکرِ میلاد کی مرضی پر منحصر ہے جو معنی پسند ہو کرے۔

اب جبکہ اس حدیث میں ہر نئے نیکی کے کام کو باعثِ ثواب فرمایا گیا تو ماننا پڑے گا کہ جن امور کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے محدثات فرماکر بدعۃ اور ضلالۃ فرمایا ہے، وہ وہی

ہیں جن کی تحقیق کر کے علماء محققین نے تشریح فرمائی ہے جو کہ بندہ گزشتہ صفحات میں ہدیۂ ناظرین کر چکا ہے، یعنی ہر وہ نیا کام جو امرِ شارع یا شارع کی دلیل عام یا دلیل خاص کے مخالف ہو، وہ بدعۃ اور ضلالۃ ہوگا اور ہر وہ نیکی کا کام جو قرآن اور حدیث شریف کے مخالف نہ ہو، تو وہ باعثِ ثواب و خیر ہے۔ اب آنکھوں پر بغض و عناد کی پٹی باندھ کر ہر نئے نیکی کے کام کو بدعۃ اور ضلالۃ کہہ دینا قرآن و حدیث سے ناواقفیت اور جہالت کی دلیل ہے۔

۱۲ ربیع الاوّل شریف تاریخِ معینہ کو ادائے شکر کے طور پر صدقہ و خیرات کرنا اور اظہار سرور اور ذکرِ ولادت باسعادت۔ تو اس کو ہم اہل سنّت و جماعت کارِ خیر، باعثِ برکت و ثواب اور ذریعۂ حصولِ خیر سمجھتے ہیں اور ان چیزوں پر بدعت و ضلالت کا فتوے لگانے والے کو بے سمجھ اور گمراہ تصور کرتے ہیں اور چونکہ ان کا اصل شرعِ شریف میں سنت سے ثابت ہے، لہذا یہ سنّت ہوں گے۔ اگرچہ ان پر بدعۃ لغوی کا اطلاق بھی ہو سکتا ہے، یعنی بدعۃ حسنہ کا۔

اب اگر کوئی کم فہم اور فاترالعقل یہ کہے کہ بدعۃ اور سنّت جمع کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بدعۃ لغوی کا اطلاق سنت، بلکہ واجب پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ دیکھو تراویح کی جماعت کو حضرت عمرِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "نعمۃ البدعۃ ھٰذہ" (یہ اچھی بدعت ہے) حالانکہ نماز تراویح سنّت ہے تو معلوم ہوا کہ سنّت پر بھی اطلاق بدعتِ لغوی ہو جاتا ہے اور اگر ہماری بات نہ مانیں تو خود اپنے پیشوا، مقتدا اور رہنما مولوی رشید احمد گنگوہی کی ہی سن لیں وہ کیا فرماتے ہیں:

فتاویٰ رشیدیہ صـ۱۰ جلد اوّل

سوال: "کوئی بدعۃ کی قسم حسنہ بھی ہوتی ہے یا نہیں؟"

الجواب: "بدعۃ کو حسنہ نہیں کہتے اور جس کو بدعۃ حسنہ کہتے ہیں، وہ سنت ہی ہے مگر یہ اصطلاح کا فرق ہے، مطلب سب کا ایک ہے۔"

۱۲ ربیع الاول شریف کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد والی نعمت پر اظہار سرور و شکر کرنا بصورتِ صدقہ وخیرات، تلاوت و وعظ۔ نیز آمد پاک کا بیان اور اظہارِ سرور یہ سب سنت ہیں، کیونکہ ان چیزوں کا اصل سنت سے ثابت ہے اور ان چیزوں پر بدعۃ کا اطلاق ہوگا تو لغوی بدعۃ کا نہ کہ بدعۃ شرعی کا جو کہ ضلالت و ناجائز ہے اور بدعتِ لغوی سے مراد بدعۃ حسنہ ہے اور خود تمہارے مولوی رشید احمد گنگوہی بدعۃ حسنہ کو سنت میں داخل کر رہے ہیں۔

۱۲ ربیع الاول شریف معین یوم کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد والی نعمت کا ذکر اس پر بطورِ اظہارِ شکر، صدقہ وخیرات، تلاوتِ قرآنِ کریم اور وعظ اور نیز اظہار سرور ان امور کے جائز اور مشروع ہونے سے کوئی مسلمان اس پر انکار نہیں کر سکتا۔ اب اس پر یہ اعتراض کہ معین دن ۱۲ ربیع الاول شریف کو ہر سال ان چیزوں کا کرنا حرام ہے، کیونکہ ویسے یہ چیزیں جائز تھیں، لیکن تمہارے اپنے تعین خاص کی وجہ سے حرام ہوگئیں، تو بجائے اس کے کہ بندہ کچھ جواب دے، علمائے دیوبند کے پیر و مرشد، مقتدا و ہادئ و رہنما حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی سے کیوں نہ پوچھ لیا جائے۔

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۳

"اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں شامل کر لیا جائے۔

کما یظهر من التامل فی قوله علیه السلام من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو ردٌّ۔ (الحدیث)

پس ان تحقیقات کو اگر کوئی شخص عبادتِ مقصودہ نہیں سمجھتا، بلکہ فی نفسہٖ مباح جانتا ہے مگر ان اسباب کو عبادت جانتا ہے اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے تو بدعت نہیں، مثلاً

قیام کو لذاتہا عبادت نہیں اعتقاد کرتا، مگر تعظیم ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبادت جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اس کی یہ ہیئت معین کرلی اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے، مگر کسی مصلحت سے خاص ذکرِ ولادت باسعادت کا وقت مقرر کرلیا مثلاً ذکرِ ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے، مگر بمصلحتِ سہولتِ دوام یا کسی اور مصلحت سے ۱۲ ربیع الاوّل شریف مقرر کرلی۔"

تو ناظرین کرام! غور فرمائیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کے لیے ۱۲ ربیع الاوّل شریف کی تاریخ مقرر کرنا اس ارادہ پر کہ تاریخ مقررہ پر یہ نیکی کا کام ہمیشہ ہوتا رہے گا یا اور کوئی مصلحت ہو، مثلاً یوم ولادت کا بابرکت ہونا، کیونکہ قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کے یومِ ولادت کو بابرکت فرمایا گیا، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے متعلق فرمایا: سلامٌ علیہ یومَ ولد اور عیسیٰ علیہ السّلام کا قول مذکور ہے والسّلامُ علیّ یومَ وُلِدتُّ الخ

تو حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ بارہ تاریخ ذکرِ ولادت باسعادت کے لیے کسی مصلحت کی وجہ سے مقرر کرنا مذموم نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا جو نیکی کا کام ہر وقت کرنا جائز ہوتا ہے، اس کے لیے تاریخ مقرر کردی جائے، اس نیت پر کہ اس کام کا ثواب تو ہر وقت ملتا ہے، لیکن یہ دن بابرکت ہے اور زیادہ ثواب ملے گا یا بوجہ مقرر کرنے کے ہمیشہ یہ نیکی کا کام ہوتا رہے گا تو محض اس تعین کی وجہ سے وہ کام بدعت نہ بنے گا۔ لہذا ہمارا ۱۲ ربیع الاوّل شریف کو اجتماعِ ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اسی طور پر بقول حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشروع ہوا نہ کہ بدعت۔ اوّلاً تو تعین اسی لیے ہے کہ یہ مبارک عمل ہمیشہ ہوتا رہے گا اور حدیث شریف میں ہے:

"احب الاعمال الی اللہ ادومہا۔"

ترجمہ: اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ ہوتا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ولادت باسعادت کا دن بابرکت ہے، اس میں ذکرِ ولادت

صدقہ وخیرات لبطورِ شکر کے باعث مزید ثواب ہوگا۔ تو جناب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان کے مطابق یہ بدعت نہیں ہے اور اس کو ناجائز کہنے والے کے متعلق حاجی صاحب اسی ہفت مسئلہ ص۔ پر فرماتے ہیں :

"عمل مباح کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم ہے۔"

اب اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ نفس ذکرِ ولادت باسعادت اور بطورِ شکر صدقہ و خیرات اور تلاوت و وعظ کے لیے دن مقرر کرنا تو جائز ہے، لیکن چونکہ ناچ گانے اور بھنگڑے بھی لوگ ساتھ کرتے ہیں اور رقص کرتے ہیں، تو ان امور کی وجہ سے ۱۲ ربیع الاول شریف کو میلادِ مروجہ کرنا ناجائز ہے تو جواب یہ ہے کہ غیر شرعی امور کو ہم حرام کہتے ہیں اور مجالس میلاد کو ایسے امور سے پاک ہونا چاہیئے، لیکن ان امور کا غیر شرعی ہونے کی وجہ سے ذکرِ ولادت باسعادت کے لیے منعقدہ مجلس کو ناجائز اور حرام کہنا "کم علمی اور جہالت" کی دلیل ہے، کیونکہ کسی نیکی کے کام میں کوئی ناجائز چیز شامل ہو جائے، تو اس ناجائز چیز کو دُور کیا جائے گا نہ کہ اس کی نیکی کے کام کو حرام قرار دے دیا جائے گا، مثلاً نکاح اور شادی یہ سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اب اگر شادی میں رقص وسرود اور عورتوں کے گانے ہوں تو کیا نکاح اور شادی حرام ہو جائے گی۔ ہر ذی عقل یہ بات کہے گا کہ جو امور غیر شرعی ناجائز ہیں، لیکن نکاح اور شادی اسی طرح مشروع ہوگی جس طرح پہلے تھی، تو مجالس میلاد میں ہم ان امور غیر شرعی کے سخت مخالف ہیں اور علماء ان سے اجتناب کے متعلق زور دیتے ہیں، لہٰذا میلادِ مروجہ کے مستحسن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

سوال : ویسے تو ۱۲ ربیع الاول شریف کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد والی نعمت کا ذکر اور بطورِ شکر صدقہ وخیرات، تلاوتِ قرآن پاک، وعظ ونصیحت جائز ہے، لیکن بازاروں میں گھومنا ناجائز ہے؟

الجواب : منکرین بھی عجیب ٹیڑھا دماغ رکھتے ہیں۔ تم بازاروں میں مدارس اور

مساجد کے چندہ کے لیے پھرو تو جائز ہے، تبلیغ کے لیے پھرو تو جائز ہے، تجارت کے لیے پھرو تو جائز ہے اور بازاروں میں دکانیں خریدو اور کاروبار کرو تو جائز ہے اور اگر ۱۲ ربیع الاوّل شریف کو محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یومِ ولادت کو جلوسِ عید میلاد النبی بازاروں سے گزر پڑے تو تمہیں اعتراض یاد آجاتا ہے۔

یہ جلوس صلوٰۃ وسلام کے نغمے پڑھتا ہوا اس لیے بازاروں سے گزرتا ہے کہ بازاروں میں عیش وعشرت اور غفلت کی زندگی گزارنے والے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ اور ان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ آج اس محبوب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یومِ ولادت باسعادت ہے کہ جس کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آج قاسم نعمت کا یومِ ولادت ہے اور آؤ اس پیارے حبیب کے ساتھ الفت اور محبت پیدا کر کے دنیا اور آخرت کی بہتری اکٹھی کر لو۔ تو اگر غافلوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے بازاروں سے گزرا جائے تو کیا یہ باعثِ ثواب ہے یا باعثِ عذاب ہے ؎

نثار تیری چہل پہل پر ہزاروں عید ربیع الاوّل
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

وما علینا الا البلاغ المبین

دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ (رجسٹرڈ) بندیال ضلع سرگودھا

مذہب حقہ اہل سنت والجماعت کی وہ عظیم اور مرکزی درس گاہ ہے جو تقریباً نصف صدی سے مسلک کی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔ اہل سنت کے اکثر مدارس کی بہاروں میں آج بھی جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال کے پھولوں کی خوشبو آرہی ہے۔ اس درس گاہ سے فارغ ہونے والوں کی اکثریت یگانۂ روزگار بن کے نکلی۔ اس درس گاہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں سے:

- شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور صاحب ہزاروی رحمہ اللہ، وزیر آباد
- شیخ الحدیث حضرت استاذ العلماء علامہ عطا محمد صاحب چشتی گولڑوی، بندیال
- حضرت مولانا علامہ اللہ بخش صاحب رحمہ اللہ۔ واں بھچراں
- حضرت مولانا علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی شیخ الحدیث ضیاء شمس الاسلام سیال شریف
- حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب سعیدی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ۔ لاہور
- حضرت مولانا علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ صدر سنی رائٹرز گلڈ
- حضرت مولانا مقصود احمد صاحب ڈسٹرکٹ خطیب اوقاف، پروفیسر الفلاح عربیک کالج سری لنکا
- حضرت مولانا مفتی محمد رفیق صاحب حسنی، شیخ الحدیث حامدیہ رضویہ بکرا پیڑی۔ کراچی
- حضرت مولانا علامہ پیر محمد صاحب مہتمم دار العلوم غوثیہ یکہ توت ۔ پشاور
- حضرت مولانا علامہ فضل سبحان صاحب مہتمم دار العلوم بغدادہ۔ مردان

جیسی نادر روزگار شخصیات نے اکتساب فیض کیا۔ یہ درس گاہ آپ سے کسی قسم کے چندہ کی اپیل کرنے کی بجائے فقط یہ اپیل کرتی ہے کہ مذہبی علوم و فنون کی تکمیل اور الحاد کے اس دور میں عشق رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی گرانمایہ نعمت سے مالا مال کرنے کے لیے اپنے بچوں کو اس دار العلوم میں داخل کرائیں۔

اراکین دار العلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ (رجسٹرڈ) بندیال ضلع سرگودھا